بیاد

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ

دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

الحق

ماھنامہ

جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ ستمبر ۲۰۰۰ء

مدیر مسئول

مولانا سمیع الحق

خوشخبری

مکتبۃ العارفی فیصل آباد

کی مطبوعات

تحفہ متوسطہ

قیمت

وفاق المدارس میں شامل انگلش کتاب کا بہترین اردو ترجمہ — مشقوں کا عمدہ مع ترجمہ — 69/=

عمدہ کاغذ بہترین ٹائٹل (متوسطہ انگلش کتاب کی لاجواب شرح)

طلباء اور مکتبہ کے لئے خصوصی رعائت

(وفاق کے امتحان کی تیاری کا لاجواب تحفہ)

احکام و مسائل۔ طہارت۔ نماز۔ روزہ۔ اور زکوۃ کے مسائل پر عمدہ کتاب (حضرت مولانا مفتی محمد مجاہد شہید) 75/=

اشرف التوضیح۔ تقریر اردو مشکوۃ المصابیح (شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب) دو جلد اعلی کاغذ عمدہ جلد 450/=

النحو الیسیر شرح نحو میر۔ (شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب مدیر جامعہ اسلامیہ امداد) 60/=

الایضاح الکامل لمانی شرح مائۃ عامل۔ شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب مدیر جامعہ اسلامیہ امدادیہ) 30/=

لامیۃ المعجزات۔ آنحضرت ﷺ کے معجزات پر بہترین عربی اشعار (مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند) 42/=

اور ان کی تشریح و ترجمہ (شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب دار العلوم دیوبند)

تسہیل الفرائض۔ اردو زبان میں علم میراث کی بہترین اور آسان کتاب سراجی سے پہلے اس کا پڑھنا نہایت مفید اور موثر ہے۔

اسکی اہم خوبی جامع و مفید تمرینات جن سے مسئلہ کا ہر پہلو اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ (مولانا مفتی محمد مجاہد شہید) 42/=

تحریک پاکستان کے دینی اسباب و محرکات۔ (مولانا محمد زاہد صاحب استاد حدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ) 75/=

علیکم بسنتی۔ پاکٹ (مفتی عبد الحکیم سکھروی صاحب) 16.50/= نماز حنفی۔ پاکٹ 7.50/=

مقصد انسانیت۔ وعظ (مولانا مفتی محمد مجاہد شہید) 12/= نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں۔ (شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب) 7.50/=

ہر قسم کی مستند دینی کتب ملنے کا مرکز

مکتبۃ العارفی متصل جامعہ اسلامیہ امدادیہ گلشن امداد ستیانہ روڈ فیصل آباد

مضامین کی فہرست موضوعات کے لحاظ سے سلسلہ واران صفحات سے دی گئی ہے جو ہر صفحے کے نیچے لکھے ہوتے ہیں۔ یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوائی جائے ------ مدیر ----------

نقش آغاز

حکومت اور گرینڈ ڈیمو کریٹک الائنس کی کشمکش سے جے یو آئی کی دونوں جماعتوں کا اعلان برأت اور باہمی اتحاد کی صورت و پیش رفت ۲
مشرقی تیمور کی آزادی میں عالم عیسائیت ۵
داغستان کی تحریک آزادی، مجاہدین اور چیچنیا پر روسی ۸
ملک میں فرقہ وارانہ تشدد کی لہر تحریک طالبان پر حکمرانوں کا الزام اور اس آگ کو بجھانے کی ایک مثبت کوشش ۹
الحق کے ۳۵ ویں سال کا آغاز ۱۲
نئے فوجی حکمرانوں کی آمد، توقعات و خدشات اور متکبر و غدار حکمرانوں کی کوچہ اقتدار سے بے دخلی ۲۶
دارالعلوم حقانیہ کی جانب سے امیر المومنین ملا محمد عمر مدظلہ کو اعزازی ڈگری ۷۴
چیچنیا پر روسی مظالم کی انتہا اور عالم اسلام کی بے حسی ۷۵
طالبان حکومت پر امریکہ اور اقوام متحدہ کی ناجائز پابندیاں اور امیر المومنین ملا محمد عمر کا مردانہ وار مقابلہ کا عزم ۱۳۸
چیچن مسلمانوں کے بہتے خون اور چھلکتے آنسوؤں میں عالم اسلام کے مستقبل کا تعین ۱۴۰
قانون مکافات عمل اور آمر نواز شریف مجرموں ۱۴۱
عیسوی میلینیم اور اکیسویں صدی کے بارے میں ایک تاریخی غلط فہمی اور کمپیوٹر Y-2K کا عالمگیر بحران ۱۴۵
حضرت مولانا سید عطاالمحسن کا سانحہ ارتحال ۱۴۸
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی رحلت ۲۰۲
چاڈ کی بین الاقوامی سہ روزہ کانفرنس، مسلم امہ کے اتحاد کی طرف ایک اہم پیش رفت ۲۹۰
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات پر پاکستانی اخبارات اور میڈیا کی شرمناک غفلت اور ادارہ کیساتھ تعزیت کنندگان کیلئے اظہار تشکر ۲۹۵
فرزند اقبالؒ ڈاکٹر جاوید اقبال کی دارالعلوم میں تشریف آوری اور تحریک طالبان کی تائید و حمایت ۳۵۴
مطلق العنان حکمران نواز شریف کا عبرت انگیز زوال ۳۵۶
دارالعلوم حقانیہ کی عظیم خدمات اور مغربی میڈیا کے نمائندوں کی لگاتار آمد ۳۵۷
دینی مدارس کیخلاف حکومتی اقدامات، دارالعلوم میں ۳۰ اپریل کو اہم اجلاس ۳۵۸
دینی مدارس کے خلاف حکمرانوں کے خطرناک عزائم، دارالعلوم میں تحفظ دینی مدارس کانفرنس ۴۱۸
پاکستان اور افغانستان میں خشک سالی کی لہر ۴۲۱
حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی المناک شہادت ۴۸۲
تحریک طالبان افغانستان سے چند گزارشات ۵۴۶
جنرل پرویز مشرف سے مولانا سمیع الحق کی ملاقات ۶۱۰
عبوری آئین میں اسلامی دفعات کی شمولیت ایک دانشمندانہ فیصلہ۔ کشمیر میں حزب المجاہدین کی جنگبندی کس منصوبے کا حصہ ہے؟ ۶۱۵
کیمپ ڈیوڈ میں فلسطین و اسرائیل کے ناکام مذاکرات ۶۱۶
آمر حافظ الاسد کی موت اور انکے بیٹے کی ریفرنڈم میں جیت ۶۱۷
اقوام متحدہ کا میلینیم نمائشی اور بے نتیجہ سربراہی اجلاس .... [illegible]
غدار یاسر عرفات بیت المقدس کی تقسیم پر آمادہ اور .... [illegible]

وفیات

دارالعلوم کے مخلص سید غلام علی شاہ کی وفات ۱۲۹
حضرۃ مولانا سید عطاالمحسنؒ بخاری کا سانحہ ارتحال ۱۴۸
دارالعلوم کے انتہائی مخلص مولانا فضل علی کو صدمہ ۳۵۰
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا مفتی محمد فرید کو صدمہ ۴۷۸

جہاد افغانستان / تحریک طالبان

تحریک طالبان (مولانا حامد الحق) ۴۲
طالبان کی حکومت اور فرزند اقبال جاوید اقبال کے نیک تاثرات (فیصل حنیف) ۳۵۹

عالم اسلام

مشرقی تیمور کی آزادی کیلئے امریکہ سر بکف کیوں؟ (ایم آئی خان) ۵۱
القدس کی پکار، ہم واقعہ معراج کیسے منائیں (راجہ ذاکر خان) ۱۰۸
انڈونیشیا کے صدارتی انتخابات میں اسلام پسندوں کی فتح (ابراہیم خان) ۱۱۵
مسلمانان کوسوو کی حالت زار اور انکا جذبہ ایمانی مسلم ممالک میں این جی اوز کا گھناؤنا کردار (محمود قاسم قاسمی) ۶۰۲

سیرت النبیؐ

اکابر کا عشق رسولؐ (مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی) ۳۸
سیرت کی تعریف اور حدود و قیود (مولانا اکرام اللہ جان قاسمی)۔ ۵۱۲

تاریخ ادب و سوانح

تاجدار علم حدیث حضرۃ مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ (محمد زبیر) ۴۵
العلامہ الشیخ مصطفیٰ الزرقاء الحنفی (نور احمد شاہتاز) ۱۷۵
چیچنیا پر روس کی یلغار ہم خاموش ہیں (ابراہیم فانی) ۳۰۰

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا ایک نادر مکتوب ۲۲۰
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن......(عتیق الرحمان) ۲۲۱
زندگی بھی خوشگوار، موت بھی شاندار (مولانا عبداللہ عباس ندوی)۔ ۲۲۴
رہنمائے قوم وملت دیدہ ور جاتا رہا (ڈاکٹر عبداللہ صالح) ۲۲۷
مفکر اسلام علی میاںؒ ایک نظر میں (عمیر الحسینی ندوی) ۲۲۸
مرد مومن کا آخری سفر (نذرالحفیظ ندوی)...... ۲۳۳
حضرت مولانا علی میاں (سید رضوان علی ندوی) ۲۳۷
عالم اسلام کی نابغہ روزگار شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (ڈاکٹر محمود الحسن عارف)...... ۲۴۵
ایک علمی روایت کا خاتمہ (خورشید ندیم)...... ۲۵۱
حرمین شریفین میں حضرت مفکر اسلام کی غائبانہ نماز جنازہ (محمد بن عبداللہ السبیل)...... ۲۵۴
الرثاء (نظم عربی) بوفات الشیخ علی میاںؒ (لطافت الرحمٰن) ۲۵۵
اشک غم (نظم) بیاد مفکر اسلام علی میاںؒ (ابراہیم فانی) ۲۵۶
قطعات (بروفات ابوالحسن علی ندویؒ) (" ")...... ۲۵۷
مفکر اسلام علی میاںؒ کے چند نادر خطوط...... ۳۸۸، ۳۲۴
الوداع اے عالم آب وگل الوداع (محمود حسن حسنی) ۳۲۸
دمشق کے قاضی صاحب (مولانا شاہ بلیغ الدین)۔ ۳۳۲
طلعت صبح درخشاں کوئے تو (غزل فارسی) ابراہیم فانی۔ ۳۴۸
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہ سحرگاہی (عتیق الرحمان سنبھلی) ۳۸۹
بےحس وخاموش ہے یہ عالم اسلام آہ (غزل) ابراہیم فانی۔ ۴۰۵
حضرۃ علی میاںؒ شخصیت اور خدمات (مولانا عیسیٰ منصوری) ۲۵۲
ذرہ ذرہ دوعالم زیر بار مصطفیٰ (نعت) ابراہیم فانی...... ۵۳۱
امام بخاری، ترمذیؒ کے شیخ علامہ ابن سلام ھرویؒ (ڈاکٹر نور احمد شاہتاز)...... ۵۷۷
حضرۃ مولانا علی میاںؒ کی یاد میں (قاری محمد طاہر) ۵۸۷
شیخ الاسلام مولانا سید احمد مدنی کی کرامت (حکیم محمد عمر) ۵۹۴
ہائے شہادت مولانا محمد یوسف شہیدؒ (نظم) ابراہیم فانی ۶۰۱
ام المومنین، صدیقہ کائنات حضرۃ عائشہ (نظم) " ۶۶۷
حضرۃ مولانا عبدالحق کی شخصیت اور آپکی سیاسی (مولانا مطیع اللہ ۶۸۸
مفکر اسلام حضرت مولانا علی ندویؒ اس صدی کے اکابرین امت کی نظر میں......۶۹۶......(مولانا عیسیٰ منصوری)
تحریکات اسلامیہ پر مولانا عبدالحق کے اثرات (حامد الحق) ۳۲۷

ملکی صورتحال

نئے حکمرانوں سے عوامی توقعات اور مستقبل کا لائحہ عمل
(کرنل محمد اعظم)...... ۱۰۴
پابہ زنجیر نواز شریف (مولانا سمیع الحق)...... ۱۶۲
سی ٹی بی ٹی پر دستخط، ملی بے حمیتی (ابراہیم فانی) ۲۰۹
قابل مبارکباد تاریخی اقدام (" ")...... ۲۱۱
مولانا مسعود اظہر کی بھارتی درندوں کی قید ستم سے رہائی (" ") ۲۱۲
توہین رسالت کے قانون میں ترمیم (مولانا محمد شریف) ۴۶۹
برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے سلسلے میں تاریخی غلطی کا ازالہ (مولانا محمد صدیق ارکانی)...... ۶۰۴

اسلام اور سائنس

خلافت ارض کیلئے علم کیمیاء اور طبیعات کی اہمیت اور جدید صنعتی علوم کا ایک تعارف (مولانا شہاب الدین ندوی)...... ۲۲۔۹۳
Y-2K کا خطرناک طوفان سر پر آن پہنچا...... ۱۸۵
سورج کی موت اور قیامت (مولانا شہاب الدین ندوی)...... ۳۰۵۔ ۳۷۹۔۴۴۲۔۵۰۳

علم، علماء اور دینی مدارس

دارالعلوم کی تقریب دستاربندی کا ایک یادگار اجتماع (شاکر اللہ حقانی)...... ۷۷
ختم بخاری شریف کی تقریب میں مولانا سمیع الحق کا درس بخاری اور علماء وطلباء سے خطاب...... ۸۰
مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ کا خطاب...... ۸۸
افغانستان کے وزیر مذہبی امور مولانا محمد مسلم حقانی کا خطاب ۹۰
دینی مدارس اور فوج کے تعلقات، مغربی میڈیا اور انگریزی اخبارات کی شرانگیزیاں (محمد تقی رفیع) ۱۲۰
موت العالم موت العالم (مولانا سمیع الحق) ۲۱۵
مولانا علی میاںؒ کی دارالعلوم میں آمد (شفیق فاروقی) ۳۱۴
خطبہ استقبالیہ، کل پاکستان تحفظ مدارس دینیہ کانفرنس (مولانا سمیع الحق)...... ۴۲۲
دارالعلوم حقانیہ میں تحفظ مدارس دینیہ کانفرنس کا متفقہ اعلامیہ...... ۴۲۷
اسلامی مدارس اور ان کے قدیم نصاب تعلیم کی اہمیت (شیخ الحدیث مولانا لطافت الرحمان) ۵۳۲
جامعہ حقانیہ: پاکستانی جہاد فیکٹری؟ (نیویارک ٹائمز) ۶۴۴
"تحفظ دینی مدارس کانفرنس" کا اہم اجتماع (نثار محمد) ۶۶۲

بحث و تحقیق

نظام اکل و شرب میں شریعت کی رہنمائی (مولانا سمیع الحق) ۸۵۲...۶۱۹، ۴۸۷، ۳۶۸، ۲۹۸، ۲۵۸، ۱۵۲، ۱۵

عصر حاضر میں اسلام کی تعبیر و تشریح (عیسیٰ منصوری) ۱۶۴

مسیحی جماعتیں غور کریں (مفتی محمد عاشق الٰہی)...... ۱۷۲

فلاح کا اصل سر چشمہ: اسلام (ڈاکٹر طاہرہ بشارت)...... ۲۶۵

کیتھولک چرچ اور پوپ جان پال کا اعتراف جرم (راشد الحق) ۳۹۴

بد صورت امریکن (کرنل (ر) محمد اعظم)...... ۴۷۱

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور تزکیہ نفس (ڈاکٹر محمد امین) ۵۵۱،۶۳۰

رجم کی سزا اور حدود آرڈیننس 1979ء (اظہر جاوید) ۵۶۳

غلام احمد پرویز کا تصورِ الٰہ (مولانا اظہار الحق)...... ۷۲۳

تذکرہ ہائے سر سید میں تضاد کی چند مثالیں...... ۷۰۸

اصلاح وارشاد دعوت و تبلیغ

نوجوانوں کے نام درد کا پیغام (مولانا فضل محمد غنی یوسفزئی) ۳۰

رمضان المبارک فضائل، برکات اور حکمتیں (مولانا عبدالحقؒ) ۱۴۹

صرف اسلام ہی جاپانی قوم کے مسائل (سید محمد رابع ندوی) ۵۵۹

افکار و تاثرات

حضرۃ شیخ الہندؒ اور شریف حسین غدار (پروفیسر محمد معین الدین) ۵۵

ماہنامہ الحق کی تحسین (راشد علی زئی۔ محمد رحیم حقانی) ۵۸

ماہنامہ الحق کا خصوصی نمبر اور خطوط...... ۱۲۳،۲۷

" " " " " " "...... ۱۹۰،۹۴

" " " " " "...... ۲۷۲،۷۷

حضرۃ علی میاںؒ کی وفات کے سلسلے میں تعزیتی خطوط ۳۴۰،۴۷

قارئین بنام مدیر...... ۴۰۱،۵۴

" " "...... ۵۳۷،۴۲

" " "...... ۶۶۳،۶۵

دارالعلوم کے شب و روز

دارالعلوم کیلئے جامعہ الازہر سے دو مصری مبعوثین...... ۶۰

جے یو آئی (ف) کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری اور دیگر معزز مہمانوں کی دارالعلوم تشریف آوری (نثار محمد) ۶۰

حضرۃ مولانا انوار الحق صاحب کی مصروفیات (نثار محمد)...... ۶۱

جاپانی براڈکاسٹنگ کے بیورو چیف...... ۶۲

دارالعلوم حقانیہ کے طلباء کی امریکی جارحیت...... ۶۲

دارالعلوم کی تعلیمی کمیٹی کا اجلاس (شفیق الدین فاروقی) ۱۲۸

دارالعلوم میں سالانہ وفاق المدارس کے امتحانات (" ") ۱۲۸

حماس کے زعیم جناب عدنان صاحب کی دارالعلوم آمد ۱۲۹

ہفت روزہ "ضرب مومن" کراچی کا دارالعلوم حقانیہ نمبر (" ") ۱۲۹

بین الاقوامی پریس کے نمائندوں کی دارالعلوم آمد (" ") ۱۳۰

ماہنامہ الفاروق کے ایڈیٹر مولانا عبیداللہ خالد...... ۱۳۰

دارالعلوم میں دورہ تفسیر کا آغاز۔ افغانستان کے وزراء کی دارالعلوم تشریف آوری۔ مسلم لیگ کے نائب صدر اعجاز الحق صاحب کی آمد...... ۱۹۵

ورلڈ اسلامک فورم کے سیکرٹری جنرل عیسیٰ منصوری۔ امیر المومنین ملا محمد عمر کو دارالعلوم کیطرف سے دی گئی سند۔ فرانسیسی سفارتکاروں کی دارالعلوم آمد۔ جرمن اسکالر اور معروف صحافی ڈاکٹر مارتھر لودھر کی آمد...... ۱۹۶

دی سنڈے ٹائمز کے فارایسٹ کارسپونڈنٹ مائیکل۔ بی بی سی کے بیورو چیف شعون لگن کی آمد۔ ناظم "الحق" جناب نثار محمد کی شادی خانہ آبادی...... ۱۹۷

دو عظیم شخصیات کی دارالعلوم قدوم میمنت لزوم...... ۲۱۳

دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز...... ۲۷۸

مہتممین صاحبان اور مدیر الحق کے بیرون ملک اسفار...... ۲۷۸

بی بی سی کے معروف پروگرام میزان میں حضرت مولانا مہتمم صاحب مدظلہ کا تاریخ ساز انٹرویو...... ۲۷۸

شعبہ حفظ میں بین الاقوامی مقابلے میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے قاری محمد سلیمان صاحب کی دارالعلوم میں دوبارہ تقرری...... ۲۷۹

دارالعلوم کے احاطہ مدنیہ کی چوتھی منزل کی تکمیل ۲۷۹

رمضان المبارک میں دارالعلوم کی علمی و روحانی رونقیں ۲۷۹

شعبہ حفظ کے قاری فضل ربی صاحب سے ادارے کی تعزیت ۲۸۰

افغان سپریم کونسل کے سربراہ ملا محمد ربانی اور...... ۲۸۱

چیچنیا کے سابق صدر اور انکے رفقاء کی دارالعلوم آمد...... ۲۸۵

برطانوی سفارت کاروں کی دارالعلوم آمد۔ حرکت المجاہدین کے امیر مولانا فضل الرحمان خلیل کی آمد۔ مسلم لیگ کے نائب صدر جناب اعجاز الحق کی آمد...... ۳۴۹

جاپانی صحافیوں کی دارالعلوم آمد۔ مدیر الحق کی وطن واپسی۔ دارالعلوم کے شعبہ رسائل و جرائد کی تدوین نو۔ دارالعلوم کے انتہائی مخلص مولانا فضل علی کو صدمہ...... ۳۵۰

فرانسیسی اور برطانوی سفارتکاروں کی آمد (شفیق الدین فاروقی)۔ ۴۰۶

سابق وزیر اعظم جناب مصطفیٰ جتوئی کی تشریف آوری...... ۴۰۶

جاپانی ٹی وی NHK کے ڈائریکٹر اور نیویارک ٹائمز کے انچارج ۴۰۷

انڈیپنڈنٹ کے نمائندے رابرٹ فسک کی دارالعلوم آمد...... ۴۰۷

روسی صحافی کی دارالعلوم آمد۔ کیمرج یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر جان کیسی کی آمد...... ۴۰۸

اٹالین TV کے عملہ کی دارالعلوم آمد دیگر معزز واردین۔ ۴۰۹

حضرۃ مولانا مغفور اللہ صاحب کے صاحبزادہ کی شادی...... ۴۰۹

فرزند اقبال کے ساتھ ایک علمی نشست...... ۴۱۰

مولانا فضل الرحمان صاحب کی دارالعلوم آمد...... ۴۷۴

جرمن سفارتکاروں کی دارالعلوم آمد...... ۴۷۴

قطر کے ٹی وی چینل "الجزیرہ" کا دارالعلوم حقانیہ کے بارے
میں ڈاکومنٹری پروگرام ۴۷۶
جرمن صحافیوں اور ڈنمارک کے صحافیوں کی دارالعلوم آمد۔ ۴۷۷
نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب کی مصروفیات۔ ۴۷۷
جمعیت علمائے پاکستان کے امیر مولانا شاہ احمد نورانی کی آمد۔ ۵۲۶
وفاقی وزیر مذہبی امور ڈاکٹر عبدالمالک کانسی کی آمد...... ۵۲۶
حرکۃ المجاہدین کے امیر مولانا فضل الرحمان کی آمد...... ۵۲۷
مختلف سفارت کاروں کی دارالعلوم آمد ۵۲۷
جیش محمدؐ کے امیر مولانا مسعود اظہر کی دارالعلوم آمد ۵۲۸
امریکہ کے ٹی وی چینل سی بی ایس کی ٹیم کی دارالعلوم آمد...... ۵۲۸
ہارڈورڈ یونیورسٹی کی پروفیسر کی آمد ۵۲۹
امریکی ریڈیو چینل وائس آف امریکہ کے نمائندوں کی آمد ۵۲۹
جاپانی نیوز ایجنسی کیوڈو کے نمائندوں کی آمد........ ۵۳۰
لبنان کے عالم دین کی دارالعلوم آمد ۵۳۰
شوریٰ افغانستان کے نائب صدر مولانا عبدالکبیر حقانی کی آمد۔ ۵۹۸
سپاہ صحابہ کے صدر مولانا اعظم طارق کی تشریف آوری۔ ۵۹۸
امریکن نیوز ٹی وی چینل سی این این ٹیم کی آمد ۵۹۸
امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ کی بیورو چیف مسز پامیلا کی آمد ۵۹۹
برازیل کے نیشنل ٹی وی چینل کے نمائندوں کی آمد...... ۵۹۹
نیویارک ٹائمز کی دارالعلوم حقانیہ کے بارے میں خصوصی اشاعت۔ ۵۹۹
لبنان کے TV چینل "المستقبل" کا دارالعلوم کے بارے میں پروگرام۔ ۶۰۰
انگلینڈ کے "دی گارڈین" اخبار کے بیورو چیف کی آمد ۶۰۰
دارالعلوم کے سامنے دوسری سڑک کی تعمیر اور جامعہ کا بے مثال ایثار...... ۶۰۰
دارالعلوم کے ششماہی امتحانات کا انعقاد۔ مسلم لیگی رہنماؤں کی
۔متنازعہ کتاب "دی طالبان" کے مصنف احمد رشید کی آمد ۶۶۸
برازیل کے اخباری نمائندے کی آمد۔ ہفت روزہ "ندائے
ملت" کا حضرت مولانا سمیع الحق اور دارالعلوم کے بارے میں
خصوصی رپورٹ۔ دارالعلوم میں تاجکستانی طالبعلم محمد جان کی
حادثاتی شہادت ۶۶۹
واشنگٹن پوسٹ کی دارالعلوم کے بارے میں ہرزہ سرائی...... ۶۷۰
آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر کی آمد ......
تقریب ختم بخاری شریف وجلسہ دستاربندی ۷۳۷
تحفظ دینی مدارس کے کنوینئر کی حیثیت سے مولانا کا دس روزہ دورہ
امارت اسلامی افغانستان کے سفیر مولانا سید محمد حقانی ۷۳۷
برطانیہ کے پولیٹیکل سیکرٹری مسٹر رچرڈ جانسن سکوئر کی آمد۔ ۷۳۷
ڈاکٹر کبیر واسطی اور ارشد چودھری سابق وفاقی وزیر کی آمد ۷۳۸
مشہور کثیر الاشاعت فرانسیسی اخبار "لیموند" کے نمائندے کی آمد ۷۳۸
جاپانی یونیورسٹی کے پروفیسر مینابو شیمی ذو کی آمد ۷۳۸
برطانیہ کے معروف اشاعتی ادارہ کے اہم ذمہ دار کی آمد...... ۷۳۹
نائب مہتمم مولانا انوارالحق کی وفاق المدارس میں شرکت ۷۳۹
افغان جہادی لیڈر مولوی محمد نبی محمدی کے فرزند اور دارالعلوم حقانیہ
کے طالبعلم مولوی محمد نعیم کی شہادت ۷۳۹
دارالعلوم و ماہنامہ "الحق" کے مخلص کرنل اعظم کی علالت ۷۳۹

تبصرہ کتب

محسن اعظمؐ (مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی) ۶۳
آغوش رحمت (ترجمہ الحزب الاعظم) (قاضی محمد زاہد الحسینیؒ)۔ ۶۴
حرمین شریفین کے سفرنامے جدید تجربات کے تناظر میں
(ڈاکٹر محمود الحسن عارف) ۱۳۱
وحدت عیدین و رمضان پر علماء کا اتفاق رائے (مفتی غلام قادر نعمانی) ۱۳۲
یا ساری الجبل کیا دجال کی آمد آمد ہے (اسرار عالم) ۱۳۳
ماہنامہ محدث لاہور کا خصوصی شمارہ "سود نمبر" (حافظ عبدالرحمان مدنی) ۱۹۸
ماہنامہ الاشرف کراچی "قرآنی نمبر" (مولانا محمد اسلم)...... ۱۹۹
قرار دل (مولانا مفتی رضاء الحق) ۲۰۰
مشاہیر علماء سرحد (حافظ قاری فیوض الرحمان) ۲۸۸
لامیۃ المعجزات (مولانا محمد حبیب الرحمان) ۳۵۱
فضائل کا نچوڑ (مولانا عبدالغنی طارق) ۳۵۱
ترجمان صفۃ (سہ ماہی) (مولنا محمد رحیم حقانی) ۵۲
تجلیات رحمانی (مولانا سعید الرحمان) ۴۱۲
داغہائے فراق (مولانا محمد ابراہیم فانی) ۴۱۳
تباہی کے ستر راستے (مولانا محمد صدیق) ۴۱۴
تبلیغ مستورات سے ازالہ شبہات (حافظ شوکت علی) ۴۷۹
زاد الابرار (مولانا مفتی محمد ارشاد قاسمی ۴۸۰
بشریت رسولؐ (مولانا سید لعل شاہ بخاری) ۵۴۲
الفرید (سہ ماہی) (حافظ حسین احمد) ۵۴۳
قادیانیت کش (محمد طاہر رزاق) ۶۰۷
دجال قادیان (محمد طاہر رزاق) ۶۰۷
شکوۃ المصباح (شہداء نمبر) (محمد احسن بھٹی) ۶۰۸
اہتمام مشورہ (مولانا مسیح اللہ جان) ۶۷۱
اشرف الانوار شرح اردو نور الانوار (مولانا عبدالحفیظ) ۶۷۱
یادیار مہرباں آید ہمے (عبدالستار انجم) ۶۷۲
صبر واستقامت کے پیکر (مولانا عبدالستار سلام قاسمی ۶۷۳
تسہیل البیان فی التفسیر القرآن (مولانا اسلم شیخوپوری ۷۴۰
منشور القرآن (عبدالحلیم ملک) ۷۴۱
تعریب علم الصیغہ (مولانا ولی خان مظفر) ۷۴۲

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر 35
شمارہ نمبر 12
جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
ستمبر 2000ء

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی
ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: اقوام متحدہ کا ملینیئم نمائشی اور بے نتیجہ سربراہی اجلاس، غدار یاسر عرفات بیت المقدس کی تقسیم پر آمادہ اور اس کا ۱۳ ستمبر کے اعلانِ آزادی سے راہ فرار .... راشد الحق سمیع ۲
نظام اکل و شرب میں شریعت کی رہنمائی (درس ترمذی) .... جناب مولانا سمیع الحق مدظلہ ۵
حضرت مولانا عبدالحقؒ کی شخصیت اور آپکی سیاسی اور مذہبی خدمات .... پروفیسر مولانا مطیع اللہ حقانی ۱۵
مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس صدی کے اکابرین امت کی نظر میں .... مولانا عیسیٰ منصوری ۲۳
تذکرہ ہائے سرسید میں تضاد اور بددیانتی کی چند مثالیں .... جناب ضیاء الدین لاہوری ۳۵
غلام احمد پرویز کا تصور الہٰ .... مولانا اظہار الحق حقانی ۴۹
تحریکات اسلامیہ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے اثرات کا ایک جائزہ .... مولانا حامد الحق حقانی ۵۸
دارالعلوم کے شب و روز .... شفیق فاروقی ۶۳
تعارف و تبصرہ کتب ۶۶

Babar Hanif Computer Compositer

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: (0923) 630340-630435
ای میل ایڈریس: Email : haqqania@hotmail.com

سالانہ بدل اشتراک۔ اندرون ملک فی پرچہ -/15 روپے سالانہ -/150 روپے، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز راشد الحق سمیع حقانی

اقوام متحدہ کا ملینیئم نمائشی اور بے نتیجہ سربراہی اجلاس

امریکی شہر نیویارک میں اقوام متحدہ کے مرکزی ہیڈ کوارٹر میں ۶ ستمبر کو اقوام متحدہ کے ملینیئم سربراہی اجلاس کا انعقاد ہوا۔ سننے میں آیا ہے کہ یہ تاریخ کا سب سے بڑا عالمی سربراہی اجتماع ہے۔ جس میں تقریباً ایک سو پچاس ممالک کے سربراہان اور حکومتی نمائندوں نے شرکت کی جو کہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے۔

یاد رہے کہ اقوام متحدہ نے پانچ سال قبل اپنی گولڈن جوبلی تقریبات بھی بڑے تزک و احتشام کیساتھ منائی تھیں اور اس موقع پر اس ادارہ نے دنیا بھر کو امن و آشتی کا گہوارہ بنانے کے خوشنما اعلانات جاری کئے تھے لیکن ان روایتی اعلانات کے بعد امریکہ اور عالم عیسائیت نے مسلمانانِ عالم کیساتھ دنیا بھر میں کیا کچھ نہیں کیا؟ کوسوو، چیچنیا، مشرقی تیمور وغیرہ اس بربریت کی تازہ مثالیں ہیں۔ اسکے باوجود اقوام عالم اور خصوصاً عالم اسلام نے اس سربراہی ملینیئم اجلاس سے کئی توقعات اور امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔ لیکن حقیقت میں یہ صرف روایتی اور نمائشی اجلاس ثابت ہوا۔ ملینیئم اجلاس کا موضوع "اکیسویں صدی میں اقوام متحدہ کا کردار" تھا۔ اس موضوع پر دنیا بھر کے حکمرانوں اور حکومتی نمائندوں نے اظہار خیال کیا۔ لیکن ہماری نظر میں تجاویز اور عقل و دانش پر مبنی تقاریر کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ حسب توقع نہیں نکلا اور یہ ساری آوازیں اور درد میں ڈوبی ہوئی صدائیں ہمیشہ کی طرح صدا بہ صحرا ثابت ہوئیں۔ اکیسویں صدی میں بھی اقوام متحدہ کا کردار وہی ہوگا جو بیسویں صدی میں امریکہ اور خصوصاً یہودی لابی نے چاہا۔ عالم اسلام اور دیگر اقوام پر مبنی ممالک تو اقوام متحدہ میں محض تماشائی اور مہرے ہیں۔ ۵۴ سال قبل اقوام متحدہ کا ادارہ دنیا کی نگاہوں میں ظلم و بربریت اور پسے ہوئے مظلوم طبقات کی پشت پناہی انسانی حقوق کے تحفظ، عالم استعماری قوتوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بننے کے لئے قائم ہوا تھا۔ لیکن اس تمام عرصے میں اس نے اپنے دلفریب چارٹر کی بہت کم شقوں پر عمل درآمد کیا اور اپنے چارٹر کے برعکس اس نے شروع دن سے ہی امریکی مفادات، صہیونی سازشوں اور عالم عیسائیت کی ریشہ دوانیوں کے ایجنڈے پر عمل درآمد کیا۔ خصوصاً اس ادارہ کے ذریعے عالم اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ اس عرصے میں برتا گیا وہ بھی انسانی تاریخ کا ایک بدترین باب ہے۔ اقوام متحدہ کی قرار دادیں مسلم ممالک کے خلاف فوراً منظور کی جاتی ہیں اور ان کے خلاف ہر طرح کی سیاسی، اقتصادی، فوجی قوت استعمال کی جاتی ہے لیکن جب مسلم ممالک کی جانب سے اسرائیل، بھارت اور امریکہ اور دیگر فاشسٹ قوتوں کے خلاف کاروائی کے لئے اقوام متحدہ سے کہا جاتا ہے تو پہلے اسے خلاف ضابطہ قرار دیا جاتا ہے اور اگر ایجنڈے پر یہ مسئلہ آبھی جائے تو پھر اسے سلامتی کونسل کے ذریعے ویٹو

کر دیا جاتا ہے۔ سلامتی کونسل جو اقوام متحدہ کا اہم ترین ادارہ ہے اس کے پانچ مستقل ارکان امریکہ' روس' چین' فرانس' برطانیہ کے پاس ہی اصل قوت ہوتی ہے۔ اور انہی کو اقوام متحدہ کے دستور اور قرار دادوں کو جوتے کی نوک پر ٹھکرا دینے کا اختیار سونپا گیا ہے۔ سلامتی کونسل کی مستقل نشست اور ویٹو کے حق سے عالم اسلام کے ترپن ممالک اور اسکے ایک ارب سے زائد مسلمان باشندوں کو قصداً اس جائز حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ جو کہ عدل وانصاف اور قانون مساوات کی سب سے بڑی خلاف ورزی ہے اور یہ ادارہ اس کا شروع دن سے ہی ارتکاب کرتا چلا آرہا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ بھارت جیسے ظالم و جابر اور متعصب ترین ملک کو بھی امریکی آشیرباد کی بنا پر سلامتی کونسل کا مستقل ممبر بنائے جانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ اور عالم اسلام کے اصرار کے باوجود اسے اس نشست سے محروم رکھا جارہا ہے معلوم نہیں کہ عالم اسلام کے حکمران کب خواب غفلت اور امریکی چنگل سے نجات حاصل کرنے کیلئے اٹھیں گے ؟ یہ کیوں اپنی الگ متحدہ اسلامی انجمن قائم نہیں کرتے ؟ انہیں اس گونگی' بہری' اپاہج امریکی لونڈی سے کیا امیدیں وابستہ ہیں ؟ اقوام متحدہ ہی عصر حاضر کی مجلس شیطان کا کام دے رہی ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اجلاس سے قبل "امن گھنٹی" بجا رہے تھے تاکہ اس کی گونج کے شور تلے دنیا بھر کے مظلوم انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کی دردناک صدائیں دب جائیں۔ ہم اقوام متحدہ کے ادارہ سے چند استفسارات کرتے ہیں کہ آپ کے ملینئم اجلاس نے دنیا کو کیا دیا ؟

(۱) اقوام متحدہ کا یہ سربراہی اجلاس نئی صدی میں اقوام عالم کو مساویانہ حیثیت 'انصاف کی فراہمی اور امن کی ضمانت دے سکے گا ؟

(۲) کیا عالمی معیشت پر قابض بڑے صنعتی ممالک اور سفینہ سرمایہ داری کے ایجنٹ مالیاتی ادارے اور ورلڈ بینک ترقی پذیر ممالک کے قرضوں کو معاف یا کم کرنے پر رضامند ہونگے ؟

(۳) امریکہ اپنے پولیس مین کے کردار اور نیو ورلڈ آرڈر کے نظام کے جبری نفاذ سے دستبردار ہو جائے گا ؟

(۴) اقوام متحدہ کے فورم پر پچپن سال سے حل طلب سیاسی اور جغرافیائی عالمی مسائل حل ہو جائیں گے ؟

(۵) اقوام متحدہ اکیسویں صدی میں فلسطین کی آزادی مہاجرین کی وطن واپسی اور کشمیر کو غاصب بھارت سے آزادی دلادے گا ؟

اگر ان سوالات اور دیرینہ مسائل کے حل کا اقوام متحدہ کے اس تاریخی اجلاس نے حل ڈھونڈ لیا ہے اور اس قسم کے تمام سوالات اور مطالبات کو اپنے اعلامیہ میں شامل کر لیا ہے تب تو یہ اجلاس کسی حد تک کامیاب ثابت تصور کیا جائے گا اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو یہ ایک روایتی اور نمائشی اجتماع تصور ہوگا۔ جس سے تقدیر عالم کے سنورنے کی کوئی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ اور اکیسویں صدی میں تیسری اور آخری عالمگیر جنگ کے امکان کو کوئی بھی رد نہیں کرسکتا۔ جسکی جانب امریکہ اور اقوام متحدہ کی ظالمانہ پالیسیاں کرہ ارض کو دن بدن بربادی کی جانب دھکیل رہے ہیں۔

غدار یاسر عرفات بیت المقدس کی تقسیم پر آمادہ اور اس کا ۱۳ ستمبر کے اعلانِ آزادی سے راہ فرار

بلا آخر امریکہ' یہودیوں اور عالم کفر کے سامنے غدار یاسر عرفات نے مکمل گھٹنے ٹیک دیئے اور اس نے اقوام متحدہ کے سربراہی اجلاس میں اس بات کا عندیہ دیا ہے کہ ہمیں القدس کی تقسیم بھی قابل قبول ہے اور اسے ایک بین الاقوامی کھلا شہر قرار دیا جائے اور ہم یہودیوں کے ساتھ ہر قسم کے تعاون اور تصفیہ کے لئے تیار ہیں۔ اسی کے ساتھ عرفات نے ایک بار پھر آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کا اعلان بھی حسب سابق ملتوی کر دیا ہے جو اس نے کیمپ ڈیوڈ کے مذاکرات کی بظاہر ناکامی کے بعد دھمکی کے طور پر کیا تھا۔ لیکن اسرائیلی اخبارات نے بہت پہلے یہ واضح کر دیا تھا کہ عرفات کی امریکہ اور یہود باراک کے ساتھ خفیہ ڈیل ہو چکی ہے اور عرفات عالم اسلام کو دھوکے میں رکھنے کیلئے دنیا بھر کے دورے کر رہا ہے۔ فلسطینی مشن سے عرفات کی غداری' خفیہ سودے بازی اور القدس کی تقسیم کے فارمولے کو فلسطینیوں کی اصل سیاسی قوت تحریک حماس نے مسترد کر دیا ہے اور اس نے واضح کر دیا ہے کہ القدس کا علاقہ اسلامی وقف سرزمین ہے۔ اس کو یہودیوں کے ساتھ تقسیم کرنے کا حق یاسر عرفات کو نہیں پہنچتا اور نہ ہی عالم اسلام کے ممالک اور ایک ارب سے زائد مسلمان القدس کی تقسیم کو قبول کرنے کیلئے تیار ہیں اور وہ ایک لمحہ کے لئے یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارا مذہبی اور مقدس تاریخی شہر اور قبلہ اول یہودیوں کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر مفتی اعظم فلسطین شیخ عکرمہ صابری نے ایک اہم انکشاف کیا ہے کہ یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کے جنوب کی طرف سے ہیکل سلیمانی کی تلاش میں سرنگیں کھودنے کا آغاز کر دیا ہے تاکہ اس کے نتیجے میں القدس کی بنیادیں کمزور کر کے اسے گرا دیا جائے۔

ان تمام حقائق اور خدشات کے باوجود یاسر عرفات اور فلسطینی اتھارٹی کی نام و نہاد قیادت یہ شرمناک معاہدہ کرنے کے لئے پر تول رہی ہے۔ یاسر عرفات کا کردار شروع دن سے ہی مشکوک اور قابل نفرت رہا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ فلسطین کاز کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہود و نصاریٰ اور امریکہ سے اس کی خفیہ وفاداری ضرب المثل بن گئی ہے۔ اگر عالم اسلام نے اس موقع پر بھی اپنی روایتی بے حسی اور خاموشی کا مظاہرہ کیا اور امریکی سازشوں اور یاسر عرفات کی غداریوں کا نوٹس نہیں لیا تو ہماری زندگیوں میں قبلہ اول القدس شریف کی تقسیم کا روح فرسا سانحہ وقوع پذیر ہو جائے گا۔ اس تاریخی جرم پر دنیا کی اقوام کے سامنے اور آخرت میں اللہ کے حضور امت مسلمہ کی جو سبکی اور بدنامی ہوگی وہ ناقابل بیان و تحریر ہے۔

.....

درس ترمذی شریف

افادات : حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ضبط و ترتیب : مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

نظامِ اکل و شرب میں شریعت کی رہنمائی

امام ترمذی کی جامع السنن کی کتاب الاطعمہ کی روشنی میں

باب ماجاء فی اکل الارنب

خرگوش کھانے کا بیان

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو داؤد حدثنا شعبة عن ہشام بن زید قال سمعت انسا یقول انفجنا ارنبا بمرالظهران فسعی اصحاب رسول الله ﷺ خلفها فادر کتها فاخذتها فاتیت بها ابا طلحة فذ بحها بمروة فبعث معی بفخذها اوبورکها الی النبی ﷺ فاكله فقلت فاكله قال قبله۔

ترجمہ : محمود بن غیلان روایت کرتے ہیں ابو داؤد سے اور وہ شعبہ سے اور وہ ہشام بن زید سے اور آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا ہے وہ فرما رہے تھے کہ ہم نے مرالظہران میں ایک خرگوش کا پیچھا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اسکے پیچھے دوڑے پس میں نے اس کو پایا اور اسکو پکڑا اور اسکو حضرت ابو طلحہؓ کے پاس لے کر آیا آپؓ نے اس کو تیز پتھر سے ذبح کیا اور میری وساطت سے اسکی ران یا سرین کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے اسے کھایا تو میں نے پوچھا کیا واقعی آپ نے اسے کھایا تو آپؓ نے فرمایا اسکو قبول کیا۔

وفی الباب عن جابرؓ و عمارؓ و محمد بن صفوانؓ و یقال محمد بن صیفی هذا حدیث حسن صحیح و العمل علی هذا عنداکثر اهل العلم لایرون باكل الارنب بأسا وقد کره بعض اهل العلم اكل الارنب وقالو انها تدمی۔

ترجمہ : اس باب میں حضرت جابرؓ، عمارؓ، محمد بن صفوانؓ جس کو محمد بن صیفی کہا جاتا ہے سے روایات مروی ہیں اور یہ حدیث حسن صحیح ہے 'اور اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے یہ حضرات خرگوش کے کھانے کو برا نہیں سمجھتے

مگر بعض اہل علم نے خرگوش کے کھانے کو مکروہ کہا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ اس کو خون آتا ہے۔

ارنب

یہ ایک قسم کا جانور ہے جو بکری کے چھوٹے بچے کے مانند ہوتا ہے اس کی ھیئت یہ ہے کہ اسکے اگلے والے پیر (ہاتھ) چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور پچھلے والے پیر (پاؤں) دراز ہوتے ہیں اور اسی کے بسبب تیز چلتا ہے' اسکی جمع ارانب آتی ہے۔ اور یہ اسم جنس ہے اسکا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر یکساں ہوتا ہے' صرف اسم اشارہ سے پتہ چلتا ہے جیسا کہ عقاب یہ لفظ بھی مذکر اور مونث دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ مونث کے لئے ھذہ العقاب اور مذکر کے لئے ھذا العقاب بولا جاتا ہے' تو اسی طرح ارنب میں مذکر اور مونث میں تمیز اسم اشارہ سے ہوگی۔ عربی زبان میں نر خرگوش کی خزء بھی مستعمل ہے جس کی جمع خزان آتی ہے جیسے صرو کی جمع صروان ہے۔ اور مادہ خرگوش کو عکرشۃ بھی کہا جاتا ہے۔ (حیوۃ الحیوان)

خصوصیت

مادہ خرگوش کے بارے میں مشہور ہے کہ چونکہ اس میں شہوانی مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہ بسا اوقات نر خرگوش سے خود جفتی کرنے لگتی ہے' حتیٰ کہ حالت حمل میں بھی جفتی کرتی ہے۔

علامہ دمیریؒ نے لکھا ہے کہ خرگوش آنکھیں کھول کر سوتا ہے' شکاری شکار کرتے وقت محسوس کرتا ہے کہ وہ جاگ رہا ہے۔ اسی طرح دمیری اور دیگر حضرات نے کئی اور فوائد لکھے ہیں۔

طبی فوائد :

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے معنی اور بغیر فائدہ کے پیدا نہیں فرمائی ہے' علماء طب نے خرگوش کے بھی طبی لحاظ سے بہت سارے فوائد بیان کئے ہیں۔

(۱) مثلاً اگر کوئی شخص خرگوش کا دماغ ایک خاص مقدار تک گائے کے دودھ کے ساتھ استعمال کرے تو وہ شخص بوڑھا نہیں ہوگا۔

(۲) خرگوش کا النفخۃ (پنیر کی مانند گاڑھا دودھ ہوتا ہے جو شیر خوار بچے کے پیٹ میں ہوتا ہے) استعمال سرطان کے مرض میں مفید ہے۔

(۳) علامہ دمیری نے لکھا ہے کہ جب عورت نر خرگوش کا انفخہ استعمال کرے تو لڑکا پیدا ہوگا۔ اور جب مادہ خرگوش کا انفخہ کھائے تو لڑکی پیدا ہوگی۔

(۴) بقراط نے کہا ہے کہ خرگوش کا گوشت گرم خشک ہے۔ اسکے استعمال سے پیٹ صاف ہوتا ہے اور پیشاب کھل کر آتا ہے۔

(۵) خرگوش کا دماغ جب بھون کر سیاہ مرچ کیساتھ استعمال کیا جائے تو اس سے رعشہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۶) خرگوش کا خون چہرے کے سفید داغ اور سیاہ داغ اور جھائیوں کے ختم کرنے میں مفید ہے۔

(۷) بستر پر پیشاب کرنے والے عادی شخص کو جب خرگوش کا گوشت مسلسل کھلایا جائے تو اس مرض سے نجات پائے گا۔

دریائی خرگوش :

ایک قسم کا خرگوش دریا میں بھی پایا جاتا ہے اسکا سر خرگوش کی مانند اور باقی جسم مچھلی کی مانند ہوتا ہے۔ ابن سینا نے کہا ہے کہ یہ ایک چھوٹا ساز ہریلا جانور ہے اس کا استعمال انسان کو ہمیشہ کی نیند سلا دیتا ہے۔ اس لئے فقہاء کرام نے اسکے کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔

اعتراض : اگر کوئی یہ کہے کہ یہ فقہی قاعدہ ہے کہ جو جانور خشکی میں حلال ہو اس کی ہم مثل سمندر میں بھی حلال ہے۔ تو یہ کیوں حرمت کا قول ہوا ہے ؟

الجواب : تو جواب یہ ہے کہ اس کی مشابہت صرف نام سے ہے شکل سے نہیں۔ اس لئے دونوں کے احکام میں فرق ہے۔

تشریح حدیث :

انفجنا ارنبا ہم نے ایک خرگوش دیکھا اور اسکے پیچھے پڑ گئے اور اسکو شکار کیا اور قافلے کے امیر کے پاس لے کر آئے۔ اس لئے کہ قافلہ کے سربراہ سے مشورہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ فاتیت بھا ابا طلحة پس اسکو ابو طلحہ کے پاس لے کر آئے فذ بحھا بمروۃ انہوں نے سفید سنگ مرمر سے اس کو ذبح کیا۔

مروۃ حجر ابیض یعنی سفید پتھر کو کہا جاتا ہے جب اسکو توڑ دیا جائے تو وہ کلہاڑی کی طرح تیز ہو جاتا ہے اور چھری و چاقو سے زیادہ تیز کام کرتا ہے۔

انفجنا:

انفاج اور نفج کا معنی کسی چیز کو برانگیختہ کرنا اپنی جگہ سے بھڑ کانا اور بھاگ جانے پر مجبور کرنا۔

ایک ادبی نکتہ :

یہ ایک علمی اور ادبی نکتہ اور لطیفہ ذہن میں رکھیں کافی آسانی ہوگی۔ حروف اصلی ف۔ع۔ل۔ فعل میں جب بھی ف اور ع کی جگہ ن اور ف ہوں اور فعل کے حرف لام کے مقابلہ میں حروف تہجی کا جو بھی حرف آئے تو اس کے مفہوم میں بھڑ کانا اپنے قبضہ سے نکالنا اور کسی چیز کو اپنے سے الگ کر دینا اور کسی چیز کا نکل جانا شامل ہوگا مثلاً حروف تہجی میں حرف نفا ہے نفب 'نفتہ ہے اب لام کی جگہ حرف ثاء آجائے تو نفث پھونکنا'

تھوک دینادم دالدنیاہے من شر النفثات فی العقد آدمی تھوک یاسانس پھینکتا ہے ۔ایساہی حرف ج نفج جو حدیث کے باب میں ہے حرف حاء نفح سانس نکالنا حرف فاء نفخ۔ خراٹے بھرنا آواز نکالنا۔ حرف سین نفس سانس لینااور نکال دینا حرف شین نفش روئی دھنا جس سے روئی کی گالیں دور دور جاکر گرنے لگی ہیں و تکون الجبال کاالعهن المنفوش ۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگ جائیں گے حرف راء نفر۔ جس کے معنی گھر بار سے روانہ ہو جانا چلے جانا سفر کرنا ہے ولولا نفر من کل فرقہ ۔انفروا خفافاً و ثقالاً جیسی آیات میں ہے اسی طرح نفیر عام بھی ہوتا ہے۔ حرف ضاد ہو تو نفض ہوتا ہے جس کا معنی پھینک دینا الگ کر دینا ہے حرف کا لفظ میں یہی مفہوم ہے۔ نفز بھی برانگیختہ کر دیتا ہے۔

استنفز :

استنفاز لوگوں کو جنگ کے لئے نکالنا۔ نفد نفاد کا معنی ہر چیز کا ختم ہو جانا نفذ ذال کے ساتھ حکم صادر ہو کر نافذ ہونا۔ حرف ع نفع کا تو مفہوم ہی کسی اور کو فائدہ آرام علم مال وغیرہ دے کر اپنے لئے الگ ہوتا نفع پہونچا۔ نفق میں حرف قاف آیا تو بھی مفہوم اپنی چیزوں کو خرچ کر دیتا ہے جیسے انفاق فی سبیل اللہ ہے نفقہ کسی کو کھانا پینا رہائش لباس مہیا کر کے اسے اپنے سے الگ کر دینا ہوتا ہے۔ نفل میں لام کے بدلے لام ہے ۔اسکا معنی بھی ضرورت سے نکل جانے والی اشیاء مراد ہوتی ہیں۔ غنائم بھی مالک کے قبضے سے نکل جاتے ہیں اور جہاد میں اسے مجاہدین پر بانٹ کر اپنے قبضہ سے نکالا دیا جاتا ہے۔ نفل وہ اموال جو ضرورت سے فالتو ہوں نفل وہ عبادات و اعمال جو لازمی فرائض سے زائد ہوتے ہیں الغرض جو بھی لفظ حروف تہجی میں حرف لام پر جگہ آنے پر مہمل نہ ہو اس میں یہی اخراج اور نکال دینے' چلے جانے کا مفہوم ہو گا حروف تہجی کا آخری حرف اگر یاء ہے تو نفی کا معنی ساقط کر دیناہے۔ انفاء من العرض کا معنی کسی کو شہر بدر کر دیناہے جیساکہ ان ینفوا من الارض۔

تیز دھار پتھر سے ذبح کرنے کا حکم :

مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی پتھر اتنا تیز ہو جائے کہ وہ چھری کی طرح کام کرتا ہو تو اسکے ساتھ جانور کو ذبح کرنا جائز ہے اس لئے کہ ذبح میں اصل جانور کی رگوں کو کاٹنا ہوتا ہے جو اس سے پورا ہو جاتا ہے اسی طرح چھری و چاقو کے علاوہ دوسرے تیز دھار والے آلات سے بھی اگر کسی جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے وہ بھی حلال اور قابل استعمال ہے۔

مروہ کی وجہ تسمیہ :

مسجد حرام مقدس میں مروہ کی پہاڑی کو مروۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہاں تیز دھار پتھر ہوتے تھے تو تیز اور سفید پتھر کو مروۃ کہا جاتا ہے اور جو پتھر سفید نرم اور بغیر دھار کے ہوتے ہوں تو ان کو بصر کہا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ ایسے علاقے میں چلے جائیں جہاں چھوٹے چھوٹے سفید پتھر ہوں اس قافلے کے امیر حضرت سعد بن ابی وقاص تھے جب یہ حضرات عراق کے اس علاقے میں جہاں سفید چھوٹے چھوٹے پتھر تھے پہنچے تو فرمایا ھولاء البصر یہ تو وہ سفید پتھر ہیں جو ایک ہی وار سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جس کا حضرت عمرؓ نے حکم فرمایا تھا اور یہیں خیمہ زن ہوئے اور اسی سے بصرہ بنا۔

فبعث معی بفخذھا تو آپ نے اس میں رسول اللہ ﷺ کا بھی حصہ کر دیا اور میرے ہاتھوں بھیج دیا اس جملہ میں تاکید کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ میں اس واقعہ کا شاہد ہوں او بورکھا راوی کو شک ہے کہ آپ نے خرگوش کی ران یا اس کے شانہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔

فاکلہ : تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا قلت میں نے کہا اکلہ ؟ کیا یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اسکو کھالیا؟ تو استاد نے کہا قبلہ کہ آپ ﷺ نے اسکو قبول کیا۔

مسئلہ تعبیر بالمفہوم :

اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر بالمفہوم جائز ہے بشرطیکہ اس بات کا یقین ہو کہ یہ کام اس لئے ہوا ہے تو استاذ نے کہا کہ کھانے کی چیز جب کوئی قبول کرتا ہے تو اسکا استعمال کھانے کیلئے ہوتا ہے اور جب اسکو دور پھینکتا تو اسکا مقصد قبول نہ کرنا ہوتا ہے۔

شلوار کا پہننا :

رسول اللہ ﷺ نے شلوار کو استعمال نہیں کیا ہے مگر اسکو محبت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اسکی بڑی تعریف کی ہے کہ شلوار بہت اچھی چیز ہے اس میں زیادہ پردہ ہے۔ آرام دہ ہے تو اس نے تعبیر کر دی کہ شلوار بھی سنت ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے یں یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے شلوار خریدی بھی ہے' تو شلوار خریدنا اور اسکو محبت کی نگاہ سے دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے قبول فرمایا ہے اور اسکو پسند کیا۔

حالت احرام میں حمار وحشی کا گوشت :

جب آپ ﷺ کی خدمت میں نیل گائے کا گوشت احرام کی حالت میں لایا گیا تو آپؐ نے قبول نہیں، فرمایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حمار وحشی کا شکار حالت احرام میں جائز نہیں۔

لا یرون باکل الارنب باسأ تو لابأس سے مراد ہے کہ یہ چیز الھم کے ساتھ یعنی بہ مشکل جائز ہے۔ عبداللہ بن عمر عکرمہ اور بعض دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ نے فرمایا ہے کہ خرگوش کا کھانا اچھا نہیں ہے اس میں کراہت تحریمی ہے انہا تدمی اسکو حیض آتا ہے۔ اور بعض نے یہ معنی کیا ہے اسکا گوشت پاک نہیں ہوتا جتنا اسکو دھوؤ گے اتنا ہی سرخ ہوگا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کو حیض آتا ہے جیسے عورت کو حیض آتا ہے حیوانات میں بھی بعض حیوان ایسے ہیں جن کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ ان کو حیض آتا ہے مثلاً چمگادڑ 'ویل مچھلی' خرگوش اور بعض نے اونٹ کے بارے میں بھی یہ رائے اختیار کی ہے۔

والعمل علی هذا عنداکثر اہل العلم الخ امام نووی ؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ خرگوش کا گوشت باتفاق علماء حنفیہ 'مالکیہ شافعیہ 'اور احمد یہ حلال ہے۔ علامہ عینیؒ نے امام کرخیؒ کا قول نقل کیا ہے تمام حنفیہ کے ہاں اجماعی بات یہ ہے کہ خرگوش کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ انکا شمار درندوں میں نہیں ہے۔

الا عبداللہ بن عمرؓ و بن العاص اور ابن ابی لیلی اسکو مکروہ مانتے ہیں۔

ان کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی ایک روایت ہے کہ خزیمة بن جزء فرماتے ہیں قلت یا رسول الله ﷺ ماتقول فی الارنب قال لا اکله ولا احرمه قلت فانی اکل مالا تحرمه ولم یا رسو ل الله؟ قال نبئت انها تدمی.

میں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ آپ خرگوش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہ میں اسکو کھاتا ہوں اور نہ اسکو حرام کرتا ہوں تو میں نے کہا بے شک میں کھاؤں۔ اسکو جس کو آپؐ حرام نہیں کرتے اور یہ کیوں یارسول اللہ ﷺ تو آپؐ نے فرمایا مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کو خون آتا ہے۔

جواب :

مگر یہ روایت کئی وجوہ سے معلول ہے حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اسکی سند ضعیف ہے اور اگر صحیح بھی ہے تو اس میں کراہت پر کوئی دلیل نہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر خود فرماتے ہیں کہ وهب الی النبیؐ فلم یاکلها ولم ینه عنها و زعم انها تحیض کہ آپؐ کے پاس خرگوش لایا گیا تو آپؐ نہ اسکو کھایا اور نہ اس سے منع کیا بلکہ گمان کیا کہ اسکو حیض آتا ہے۔

امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے جاء اعرابی الی النبی ﷺ بارنب قدشواها فو ضعها بین یدیه فامسك وامر اصحابه ان یاکلوا ایک اعرابی نے آپ ﷺ کو بھنا ہوا خرگوش لا کر آپؐ کے سامنے رکھا آپ ﷺ نے اسکو پکڑا اور اپنے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اسکو کھاؤ۔

علامہ مرغینانی نے ھدایہ میں بھی خرگوش کی حلت پر یہ دلیل پیش کی ہے ان النبی ﷺ اکل من ارنب حین اهدی الیه مشو یا و أمرا صحابه بالا کل منه.

کہ آپؐ نے خود بھی خرگوش کو کھایا جب آپؐ کو بھنا ہوا خرگوش ھدیہ کردیا گیا اور اپنے صحابہ کرام کو بھی اس کے کھانے کا حکم دیا۔ امام دارقطنی نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے اهدیٰ الی رسول الله ﷺ ارنب

وانا نائمة فحبالي منها العجز فلما قمت اطعمني کہ آپ ؐ کو ایک خرگوش ھدیۃ کیا گیا اور میں سوئی ہوئی تھی آپ نے میرے لئے اس سے کچھ حصہ چھوڑ دیا جب میں نیند سے بیدار ہوئی تو آپ ؐ نے مجھے کھلایا۔

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت عمارؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ کنا مع رسول الله ﷺ فاھدی الیه رجل من الاعراب ارنبا فاکلنا۔ فقال انی رایت بھا دما فقال ﷺ لا باس به ۔

ترجمہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے کہ ایک اعرابی نے خرگوش آپ ؐ کو ھدیہ کیا تو ہم نے اس کو کھایا تو عرابی نے کہا بیشک میں نے اسکو دیکھا ہے کہ اسکو خون آتا ہے تو آپ ؐ نے فرمایا لا باس به اسمیں کوئی حرج نہیں۔

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمیرؓ سے کسی نے خرگوش کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا لا یأس به یعنی اسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں تو اس شخص نے عرض کیا انھا تحیض کہ اسکو حیض آتا ہے تو آپ ؐ نے فرمایا بے شک جو اسکے حیض کو جانتا ہے وہ اسکے طھر کو بھی جانتا ہے۔

خلاصہ : توان روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ خرگوش کھانا بلا کراہت جائز ہے۔

....

باب ماجاء فی اکل الضب

گوہ کے کھانے کا بیان

حدثنا قتیبة حدثنا مالك بن انس عن عبدالله بن دینار عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ سئل عن اکل الضب فقال لا اکله ولا احرمه وفی الباب عن عمروؓ وابو سعید الخدریؓ ابن عباسؓ وثابت بن ودیعةؓ و جابرؓ وعبدالرحمان بن حسنةؓ وھذا حدیث صحیح۔ ترجمہ :

حضرت قتیبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت مالک بن انسؓ سے اور عبداللہ بن دینار سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ سے گوہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ میں نہ اسکو کھاتا ہوں نہ اسکو حرام کرتا ہوں۔ اس باب میں حضرت عمرؓ حضرت ابو سعید الخدریؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت زید بن ودیعہؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عبدالرحمان بن حسنہؓ سے روایات مروی ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے۔

وقد اختلف اھل العلم فی اکل الضب فرخص فیه بعض اہل العلم عن اصحاب النبی ﷺ وغیرھم و کرھه بعضھم مروی عن ابن عباسؓ انه قال اکل الضب علی مائدة رسول الله ﷺ وانما ترکه رسول الله ﷺ تقذرا۔

ترجمہ: اہل علم کا گوہ کھانے میں اختلاف ہے رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم

نے اسکے کھانے کو جائز اور مرخص قرار دیا ہے جبکہ بعض دوسرے اہل علم نے اسکو مکروہ قرار دیا ہے' اسلئے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے دستر خوان پر گوہ کھایا گیا اور بے شک رسول اللہ ﷺ نے اسکو گندی چیز سمجھ کر چھوڑ دیا کیونکہ آپ کو اس سے گھن آنے لگی۔

اس باب میں ضب (گوہ) کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

دور جاہلیت میں سب چیزوں کے کھانے کا رواج تھا لوگ سب چیزوں کو کھاتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو جن اشیاء کے بارے میں حرمت یا حلت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو آپ ﷺ اس چیز کے بارے میں فرماتے تھے لا اکله ولا احرمه (الحديث) کہ نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں۔

سوال : یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اشیاء میں اصل اباحت ہے تو رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں اسکو نہیں کھاتا' کیوں تھا؟ اور اس کی وجہ کیا تھی ؟

جواب : اصل میں بعض لوگ دیہات میں رہتے ہیں اور بعض شہر میں' شہریوں کی عادات اور طبیعت الگ ہوتی ہے اور دیہاتیوں کی الگ تو اس زمانہ میں دیہات کے لوگ بعض اشیاء کو کھاتے تھے اور شہری لوگ ان کو استعمال نہیں کرتے تھے اس لئے کہ بعض اشیاء میں طبعی گندگی ہوتی ہے طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے' اور اسکو کھانا پسند نہیں کرتی تو چونکہ رسول اللہ ﷺ بھی شہری تھے مکہ کے رہنے والے تھے مکہ اس زمانے میں بھی ایک بڑا شہر تھا تو ظاہری گندگی کی وجہ سے بھی آپؐ اس سے طبعاً پرہیز کرتے تھے اگرچہ شرعاً اسکا حکم نہ آیا ہوتا۔

تو اسی طرح ضب (گوہ) کے بارے میں پوری طرح وضاحت نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے جب رسول اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نہ اسکو کھاتا ہوں اور نہ اسکو حرام کرتا ہوں۔

گوہ کا حکم شرعی :

اسلئے بعض حضرات مثلاً امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ گوہ حلال ہے اور اسکے کھانے میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر کھایا گیا ہے مگر امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گوہ کھانا مکروہ ہے رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر ابتداء اسلام کے دور میں کھایا گیا' پھر اسکے کھانے سے ممانعت آئی تو منع فرمایا۔ امام ابو حنیفہؒ خود حضرت عائشہؓ کی روایت اپنی سند سے مسند ابی حنیفہؒ میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے گوہ لا کر دی۔ میں نے بڑی محبت سے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے منع فرمایا کہ اسکو مت کھاؤ میں نے اس کو ایک طرف رکھا کہ اتنے میں ایک فقیر آیا تو میں نے اسکو دینا چاہا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے لئے جائز نہیں وہ فقیر کو دینا چاہتی ہو یعنی اس کے لئے کیسے حلال ہوگئی۔ اتطعمينها مالاتا كلين تو یہ واضح انکار کراہت کی دلیل ہے۔

(۲) اسی طرح حضرت علیؓ سے روایت ہے نہی عن اکل الضب و الضبع کہ رسول اللہ ﷺ نے ضب (گوہ) اور ضبع کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

عمدۃ القاری میں عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت ہے کنت فی بیت میمونۃؓ فدخل رسول اللہ ﷺ ومعہ خالد فجائو بضبین مشویین فتبزق رسول اللہ ﷺ فقال لہ خالد افذلك تقذر ا رسول اللہ ﷺ قال اجل (الحدیث)

ترجمہ: کہ میں حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھا کہ رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے اور آپکے ساتھ حضرت خالد تھے تو گھر والے دو عدد روسٹ کئے ہوئے گوہ لے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اسکو دیکھ کر اظہار کراہت کیلئے تھوکا جیسے گھن آگئی ہو تو حضرت خالد نے ان سے کہا کیا رسول اللہ ﷺ نے اسے مکروہ سمجھا تو آپ نے کہا ہاں۔

(۳) ایک اور روایت میں ہے عبدالرحمان بن حسنہ فرماتے ہیں نزلنا ارضا کثیرۃ الضاب فاصابتنا مجاعۃ فطبخنا منہا وان القدرۃ لتغلی بہا اذا جاء رسول اللہ ﷺ فقال ما ھذا فقلنا ضباب اصبناھا فقال ان امۃ من بنی اسرائیل مسحت دو اب فی الارض وانی اخشی ان تکون ھذہ (الحدیث) عبدالرحمان بن حسنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایسی زمین پر اترے جہاں بہت ساری گوہ تھیں۔ ہمیں بھوک لگی تو ہم نے انکو پکایا ابھی ہنڈیہ جوش مار رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ یہ کیا ہے تو ہم نے کہا کہ گوہ ہے جن کو ہم نے پکڑا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ کو ان زمینی چوپایوں کی شکل میں مسخ کیا گیا تھا تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ضب بھی ان میں سے نہ ہو۔

(۴) شوافع اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جن اقوام کو اللہ تعالیٰ نے اس اشیاء کی اشکال پر متشکل کر کے عذاب میں مبتلا کیا تو وہ دو تین دن کے بعد ختم ہو گئے۔ یہ موجودہ گوہ وغیرہ انکی اولاد نہیں۔

تو ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کراہت کیلئے اس روایت سے اسلئے استدلال نہیں کرتے کہ یہ موجودہ گوہ ان معذب شدہ لوگوں کی اولاد ہے بلکہ استدلال اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل اور گندی چیزوں کی شکل میں متشکل فرمایا کسی شریف حیوان کی شکل و صورت کی طرف انکو متقلب نہیں فرمایا۔ تو اس ذلت کی وجہ سے انکا استعمال کراہت سے خالی نہیں۔ اگر یہ خسیس اور وضیع نہ ہوتے تو ان کی شکل پر مسخ نہ کئے جاتے۔

(۵) اسی طرح ان کا شمار حشرات میں ہوتا ہے اور انکی تخلیق میں ہی تذلیل ہے انکا مسکن ذلیل و قبیح ہے اس لئے یہ اشیاء بلوں میں رہتی ہیں اور گندگی کی جگہوں میں سکونت اختیار کرتی ہیں' حشرات سب خبائث ہیں اور خبائث کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ویحرم علیھم الخبائث (الایۃ) اس لئے علماء نے کہا ہے کہ حشرات سارے کے سارے حلال نہیں۔ تو چونکہ گوہ بھی خبائث میں داخل ہے اسلئے یہ کراہت سے خالی نہیں۔

(۶) احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہاں دلائل کا تعارض بھی ہے بعض روایات حلت کو ثابت کرتی ہیں۔ اور بعض دوسری روایات حرمت کو ثابت کرتی ہیں۔ اور جب حرمت و حلت کا تعارض آجائے تو مبیع اور محرم کے تعارض میں محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ اسلئے کہ جلب منفعت سے دفع مضرت زیادہ اولیٰ ہے اور اس اصول کی بناء پر بھی گوہ کا کھانا حرام ہے۔

(۷) امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب احکام میں کلی اور جزئی کا تعارض آجائے تو کلی کو توڑنے کی بجائے جزئی میں تاویل کرنی چاہیے اس جزئی کی تاویل اس طرح کی جائے کہ دونوں میں تطبیق پیدا ہو جائے اور کلیہ ساقط نہ ہونے پائے تو یہاں بھی قاعدہ کلی کا تقاضہ یہ ہے کہ گوہ حرام ہو اس لئے کہ ذی مخلب ہے کہ اچانک دوسرے پر حملہ کرتی ہے اور اس کو کچا کھاتی ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے نهى عن كل ذى ناب من السباع ونهى عن كل ذى مخلب من الطيور (الحديث) کہ درندوں میں سے ہر ذی ناب اور پرندوں میں سے ہر ذی مخلب کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ گوہ حرام (ہو) ہے بخلاف اس جزئی روایت سے جو اثبات حلت کرتی ہے تو دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس جزئی واقعہ کو ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے جب حرمت کا حکم نازل ہوا تو حلت کا حکم ختم ہوا۔

اس حدیث میں کل صراحتہ کلیۃ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تقذرا:

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو ابتداء ہی سے ہر اس چیز کے استعمال یا عمل کرنے سے بچایا ہے جن کا کرنا معیوب یا طبعی لحاظ سے گندہ تھا اگرچہ شریعت نہیں آئی تھی اور منصب نبوت نہیں ملا تھا مثلاً حضور اکرم ﷺ کا عقیقہ نہیں ہوا تھا اس لئے کہ اس زمانہ میں عقیقہ بتوں کے نام پر ہوتا تھا پھر نبوت ملنے کے کافی مدت بعد آپؐ نے اپنا عقیقہ خود کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ ایک مرتبہ کسی محفل میں تشریف لے گئے تو وہاں کچھ منکرات ہو رہے تھے آپ ﷺ پر غنودگی چھا گئی اور سو گئے اور صبح تک پتہ بھی نہیں چلا۔ تو جو چیز بعد میں حرام ہونے والی تھی اس سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ابتدا ہی سے بچاتے تھے اور آپ ﷺ کا میلان اس طرف ہوتا ہی نہ تھا۔ تو گوہ کا کھانا بھی تقذرا یعنی گند سے طبعی کراہت کی وجہ سے تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا۔ اسے اصطلاح میں ارھاصات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

....

پروفیسر مولانا مطیع اللہ حقانی *

حضرت مولانا عبدالحقؒ کی شخصیت اور آپکی سیاسی اور مذہبی خدمات

ع   اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

قدرت کا اٹل قانون ہے کل من علیہا فان (۱)

موت کا پیالہ سب کو پینا ہے بادشاہ ہو یا گدا آقا ہو یا غلام ؟ جھونپڑی میں رہنے والا ہو یا محل میں رہنے والا سب کو یہی پیالہ پینا ہے۔ اس اٹل حقیقت کے باوجود مختلف لوگوں کی موت کی حیثیت بھی مختلف ہوتی ہے ایک موت وہ ہے جس کی وجہ سے ایک شخص کی زندگی کے امور معطل ہو جاتے ہیں ایک موت وہ ہے جس سے ایک خاندان کو نقصان پہنچتا ہے مگر ایک موت وہ ہے جس سے ملک قوم اور تمام انسانیت کو نقصان پہنچتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحقؒ مرحوم ان شخصیات میں سے ایک ہیں جن کی موت سے تمام عالم اسلام کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی وجہ عظمت ہوتی ہے جو اسے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہے مگر مولانا مرحوم کی ذات میں ہر عظمت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود تھی وہ ایک مقبول عام شخصیت تھے اور علماء کے علاوہ عام لوگ بھی ان کو نہایت عقیدت اور احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے گویا وہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کے پورے پورے مصداق تھے جس میں حضورؐ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ محبت کرتا ہے تو حضرت جبرائیلؑ کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پھر حضرت جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس بندہ کے لئے زمین میں بھی قبولیت رکھی جاتی ہے اور زمین کے لوگ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے بغض کرتا ہے تو جبرائیل کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے بغض کرتا ہوں تو بھی اس سے

---

* چیئرمین شعبہ اسلامیات۔ گورنمنٹ کالج پشاور

بغض کرا سکے بعد جبرائیل بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔ اس کے بعد جبرائیل آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے تو آسمان والے بھی اس سے بغض کرنے لگتے ہیں اور پھر اس کے لئے زمین میں بھی بغض رکھی جاتی ہے اور زمین والے بھی اس سے بغض رکھتے ہیں (۲)۔

حضرت مولانا عبدالحقؒ مرحوم وہ عظیم شخصیت تھے جس نے ساری زندگی لوگوں کو تقویٰ، محبت امن اور بھائی چارے کا سبق دیتے رہے۔ اسکے ساتھ ہی آپ نے پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے حکومت کے ایوانوں میں بھی مسلسل آواز بلند کی۔ مولانا کی مختصر سوانح کچھ اس طرح سے ہے۔

حضرت مولانا عبدالحق ۱۷ محرم الحرام ۱۳۲۷ھ بروز اتوار مطابق جنوری ۱۹۱۰ء کو جناب حاجی معروف گل صاحب کے گھر اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی اس کے بعد طورو (ضلع مردان) تشریف لے گئے اور وہاں پر مولانا عنایت اللہؒ اور مولانا عبدالجمیلؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اسکے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے۔ پہلے میرٹھ اور امروہہ کے مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور ۱۳۵۲ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی شامل ہیں۔ فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۶۲ھ میں ۱۳۶۶ھ تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ (۳)

1947ء میں تقسیم کی وجہ سے آپ دوبارہ ہندوستان تشریف نہ لے جاسکے۔ چونکہ خدمت دین ہی ان کی زندگی کا مشن تھا اسلئے آپ نے خدمت دین کیلئے اپنے ہی گاؤں میں دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی اسوقت یہ دارالعلوم صرف پاکستان اور عالم اسلام میں ہی نہیں بلکہ عالمی دنیا میں ایک مشہور دینی درس گاہ کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ہر سال تقریباً ساڑھے چھ سو کے قریب طلباء اس دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کر لیتے ہیں۔ بندہ 1973ء میں دارالعلوم حقانیہ سے سند فراغت حاصل کر چکا ہے اسوقت اکوڑہ خٹک کی اکثر زمین پتھریلی اور ناقابل کاشت تھی۔ نصف صدی پہلے تو وہ مکمل طور پر وادیِ غیر ذی ذرعٍ کا منظر پیش کرتی ہوگی۔ بقول حفیظ جالندھری:

نہ اس میں گھاس اگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمین سے آسمان بھی جھک کے ملتے ہیں

ایسی بے آب وگیاہ اور پتھریلی زمین میں ایک عظیم دارالعلوم کا قیام اور اس کا مرجع خلائق بننا یقیناً اسکے

بانی کے اخلاص اور ان کی للّٰہیت کی روشن دلیل ہے۔

دارالعلوم حقانیہ کا آغاز جتنی بے سروسامانی کی حالت میں ہوا اسکے متعلق عصر حاضر کا ایک محقق رقمطراز ہے :

''حضرت شیخؒ دیوبند میں چار سال مدرس رہے لیکن 1947ء میں تقسیم ہند کے بعد غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر آپ نے دیوبند جانے کا ارادہ ترک کر دیا یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ آپ کے حفاظتی انتظامات اور سرکاری خرچ پر سفری معاملات نبھانے کی ذمہ داری حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے ذمے لی تھی۔ بہر کیف نہایت بے سروسامانی کی حالت میں آپ نے اپنے گھر سے متصل مسجد (محلہ ککے زئی میں) ستمبر 1947ء میں تدریس کا آغاز کیا۔ سفری رکاوٹوں سے مجبور دیوبند میں پڑھنے والے پاکستانی اور افغانی طلباء اس نئی درس گاہ میں حضرت شیخ الحدیث سے دورہ حدیث مکمل کرنے لگے جو جلد ہی دارالعلوم حقانیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔''(۴)

دارالعلوم حقانیہ کی موجودہ عمارت کی بنیاد ۱۸ اپریل 1954ء کو اتوار کے دن حضرت مولانا عبدالحقؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھی۔ یہاں پر اس پیشن گوئی کا ذکر کرنا ضروری ہے جو 20 دسمبر 1826ء کو حضرت شاہ اسمٰعیل شہید نے سکھوں کے خلاف معرکے کے موقع پر اس مقام پر کی تھی جہاں آج دارالعلوم حقانیہ قائم ہے آپ نے مجاہدین سے فرمایا تھا کہ یہاں سے اپنے خیمے اکھاڑ کر مشرق کی جانب نصب کرد کیونکہ اس مقام کی مٹی سے مجھے علم کی خوشبو آرہی ہے۔(۵)

حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم حقانیہ ایک عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک تحریک کا نام ہے یہ وہ تحریک ہے جو ہر زمانے میں ہر باطل قوت کے خلاف مزاحمت کرتی رہی ہے۔ جب پاکستان میں علماء قادیانیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو حضرت مولانا عبدالحقؒ اور ان کے شاگردوں نے اس معرکہ حق میں بھرپور قائدانہ کردار ادا کیا۔ یہاں تک کہ ان کی کوششیں بار آور ہو گئیں اور قادیانیوں کو آئین پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔

جس زمانے میں راقم دارالعلوم حقانیہ میں متعلم تھا تو اسوقت پاکستان کے نامی گرامی علماء اس مرکز علمی میں جمع ہو گئے تھے اور تشنگان علم کی پیاس بجھا رہے تھے ان میں بعض اہم شخصیات یہ ہیں۔

(۱) حضرت مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ : کافی عرصے تک دارالعلوم حقانیہ سے منسلک رہے ۔بڑی بڑی ترغیبات بھی ان کو یہاں سے نہ ہٹا سکیں۔ موصوف ان دنوں ہمیں ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف پڑھاتے تھے (موصوف کافی دنوں سے علیل ہیں خدا ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے)

(۲) حضرت مولانا عبدالحلیمؒ : مرحوم ہمیں مسلم شریف پڑھاتے تھے ان کا انداز درس بڑا سادہ اور عام فہم ہوتا تھے ایک دفعہ کسی تقریب کے سلسلے میں بندہ نے ان سے اپنے گاؤں گل آباد آنے کی درخواست کی تھی سواری کا انتظام کیئے بغیر مرحوم بس کے ذریعے ہمارے گاؤں تشریف لائے تھے۔ یہاں پر انہوں نے جو خطاب فرمایا تھا حاضرین مدتوں اسے یاد کرتے تھے۔

(۳) حضرت مولانا محمد علیؒ: مرحوم کو علم نحو میں خاص درک حاصل تھا بندہ نے کافیہ ان سے پڑھی تھی طلباء کے ساتھ انتہائی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔

(۴) حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ: بندہ ان سے "مقامات" پڑھ چکا ہے نہایت بااخلاق اور ملنسار شخصیت ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے چکے ہیں۔

(۵) حضرت مولانا شفیع اللہؒ: مرحوم ایک بہت وجیہ اور باوقار شخصیت تھے بندہ نے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا درخواستی مرحوم نے دارالعلوم کے سالانہ اجتماع میں ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا۔ وزاده بسطة فی العلم و الجسم۔

(۶) حضرت مولانا محمد ہاروتؒ: ایک فقیر منش شخصیت تھے۔ مزاج میں جلال بہت زیادہ تھا۔ دنیا ومافیہا سے بے نیاز ہر وقت درس و تدریس میں منہمک رہتے تھے۔ بندہ "نورالانوار" ان سے پڑھ چکا ہے۔

(۷) دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم اور ماہنامہ الحق کے مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب بھی ان دنوں مختلف کتب پڑھاتے تھے۔ موطأ امام مالک کے کچھ اسباق راقم ان سے پڑھ چکا ہے موصوف کے درس میں ادبی رنگ بھی شامل ہوتا اور موقع و محل کی مناسبت سے بعض اوقات اردو اشعار بھی طلبہ کو سناتے تھے۔

(۸) حضرت مولانا عبدالحقؒ مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے مولانا انوار الحق ان دنوں نئے نئے مدرس ہوئے تھے لیکن بندہ ان کا براہ راست شاگرد نہیں رہا۔

مذکورہ بالا حضرت کے علاوہ کچھ اور حضرات بھی تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے چونکہ بندہ ان حضرات کا براہ راست شاگرد نہیں رہا ہے۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ امتداد زمانہ کی وجہ سے ان کے اسمائے گرامی ذہن سے محو ہو چکے ہیں۔

راقم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے شمار انعامات میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپؒ کی شاگردی کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ جن دنوں میں دورہ حدیث پڑھ رہا تھا ان دنوں حضرت مولانا مرحومؒ بخاری شریف پڑھاتے تھے یہ ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جو علماء متواتر احادیث کا درس دیتے ہیں ان کا مقلدانہ پہلو اکثر کمزور ہوتا ہے۔ یہ اعزاز حضرت مولانا مرحومؒ کو حاصل ہے کہ سالہا سال تک احادیث کا درس دینے کے باوجود وہ زندگی کے آخری لمحے تک مسلک حنفی پر قائم رہے۔ اپنے مسلک کو صحیح ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ مرحومؒ دوسرے مسالک کے متعلق اتنا محتاط رویہ قائم کرتے کہ کسی طرح بھی ان کی شان میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

بندہ کی یہ فطری کمزوری ہے کہ وہ خلوت پسند واقع ہوا ہے خلوت پسند ہونے کی وجہ سے میں آپ کے

شاگردوں کی اس صف میں شامل نہیں ہوں جو اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضر خدمت رہتے تاہم بندہ اپنے ان قلیل اوقات کو بھی جو ان کی صحبت میں میسر آسکے تھے۔ اپنی زندگی کا ایک قیمتی سرمایہ سمجھتا ہے۔

التفات حسن سے بے خود سہی غافل سہی　　　　ہے یہی کیا کم کہ تھا میں بھی حریم ناز میں

نبی کریم ﷺ کی مشہور روایت ہے من تو اضع لله رفعه الله (٦)

حضرت مولانا عبدالحقؒ مرحوم تواضع وانکساری کا ایک نمونہ تھے میں نے دارالعلوم حقانیہ میں زندگی کے تین سال گزارے ہیں۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد میں نے دینی علوم کی تحصیل کے لئے اپنے بزرگوں کے مشورے سے دارالعلوم حقانیہ کا انتخاب کیا۔ ایک طویل مدت گزرنے کے باوجود میں جب کبھی اکوڑہ خٹک کی سرزمین سے گزرتا ہوں تو یقین جانئے میرے دل ودماغ میں اس سرزمین کے لئے محبت وعقیدت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں اور بے اختیار زبان پر یہ شعر جاری ہوتا ہے۔

بلاد بها حل الشباب تميمتي　　　　واول ارض مسد جلدی ترابها

(ترجمہ) یہی وہ شہر ہے جس میں شباب نے میرے گلے کے تعویذ کھولے اور یہی وہ پہلی سرزمین ہے جس کی مٹی میرے بدن پر لگی۔

حضرت مولانا عبدالحقؒ مرحوم ایک مثالی کردار کے عالم شخصیت تھے ان کی زندگی کا ایک پہلو تو یہ ہے لہ وہ ایک عالم دین اور خطیب تھے قومی اسمبلی کے رکن تھے یہ ان کی پبلک زندگی تھی۔ دوسری طرف انکی نجی اور گھریلو زندگی تھی جس میں وہ ایک بیٹے' بھائی شوہر اور باپ کی حیثیت سے زندگی گزار رہے تھے۔ یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ پبلک زندگی میں بعض لوگ نہایت شریفانہ زندگی گزارتے ہیں عام مجالس میں ہر وقت کلمہ طیبہ وغیرہ کا ورد ان کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ پبلک مقامات پر اگر بعض لوگ ان کو سخت کلمات بھی کہیں تو وہ صبر وتحمل کا پیکر نظر آئیں گے۔ لیکن جب ان کی نجی زندگی کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو اپنے عزیز واقارب کے ساتھ ان کا رویہ شریعت کے مخالف ہوتا ہے۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی نجی زندگی اور پبلک زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔ اگر وہ باہر کے لوگوں کے لئے رحمت وشفقت کا مجسمہ ہوتے ہیں تو اپنے گھر والوں کیلئے بھی "رحماء بینھم" کا منظر پیش کرتے ہیں اگر وہ عام جلسوں اور جلوسوں میں رفاہ عامہ کے کاموں کیلئے چندہ دیتے ہیں تو اپنے اہل وعیال کو بھی اپنی حیثیت کے مطابق ان کا نان نفقہ دیتے ہیں اگر وہ لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں تو خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں ان ہی مستثنیات میں ایک حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی شخصیت بھی نمایاں ہے۔

موجودہ دور میں سرکاری مدارس میں بعض آسامیاں ایسی ہیں جن کیلئے بعض منظور شدہ دارالعلوموں

سے فراغت کی سند حاصل کرنا ضروری ہے۔بد قسمتی سے بعض دارالعلوم جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اسناد فروشی کے مکروہ دھندے میں ملوث ہیں ان کے اس فعل شنیع کیوجہ سے عام دینی مدارس کے متعلق یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے بعض حاسدین اور دشمنوں نے اس سلسلے میں دارالعلوم حقانیہ کو بھی بدنام کرنے کا منصوبہ بنایا اور خفیہ پروپیگنڈہ بھی کیا۔ اس ضمن میں ''بیس بڑے مردان حق'' کا مصنف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ کوئٹہ سے ایک کرنل کسی مولوی صاحب کو لے کر آئے۔آتے ہی ایک خطیر رقم بطور چندہ دارالعلوم کے لئے پیش کی۔اس کے بعد فرضی سند مانگنے لگے۔جب انہوں نے سند کا ذکر چھیڑا تو مولانا مرحوم نے ناظم دارالعلوم سے فرمایا ان کی رقم واپس کردو کیونکہ یہ صاحب ہمیں رشوت دینا چاہتے ہیں۔یہ سن کر کرنل صاحب نے معافی مانگی اور کہا کہ ہمیں سند کی ضرورت نہیں۔ہم تو یہاں چھان پھٹک کیلئے آئے تھے کہ یہاں فرضی سند مل سکتی ہے یا نہیں؟ کرنل صاحب آپ سے بہت متاثر ہو کر واپس چلے گئے۔(۷)

موجودہ دور میں لوگوں نے سیاست کو تجارت سمجھ لیا ہے۔عام لوگ قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کی سیٹ حاصل کرنے کے لئے پارٹی لیڈر کو لاکھوں روپے چندے کے نام پر دے دیتے ہیں اور جب سیٹ مل جاتی ہے تو اس کو جیتنے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربے کو استعمال کرتے ہیں۔راقم نے اس ضمن میں بعض متقی اور پارسا لوگوں کو دیکھا ہے کہ نشست جیتنے کیلئے انہوں نے ہر حربے کو استعمال کیا اور جب کسی خیر خواہ نے مشورہ دیا کہ جناب! یہ کردار آپکے شایان شان نہیں تو کلمۃ حق اوریہ بھا الباطل کے مصداق "الحرب خدعۃ" کو رٹتے ہوئے وہ کارستانیاں فرمائیں کہ الامان والحفیظ۔

آیئے ہم یہاں پر اس مرد قلندر کا کردار دیکھتے ہیں کہ انہوں نے 1970ء کے انتخابات کے دوران کیا کردار ادا کیا تھا؟ جب انتخابات کیلئے امیدواروں کو نامزد کرنے کا مسئلہ پیش آیا تو اس حلقے کے لوگوں کی نگاہیں مولانا مرحوم پر پڑ گئیں کہ جمعیت العلماء اسلام کی طرف سے ان کو نامزد کیا جائے۔مگر مولانا مرحوم نے فرمایا کہ مجھے ان ہنگاموں سے بڑی وحشت ہے انسان تو کیا کسی چیونٹی سے بھی محاذ آرائی اچھی نہیں لگتی۔پھر ان انتخابات کے ہنگاموں میں ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل، سب و شتم، مبالغہ آمیز دعووں اور وعدوں کے ایسے میدان میں کیسے کود سکتا ہوں؟(۸)

حضرت مولانا مرحومؒ کو انتخابات میں حصہ لینے کے لئے بڑی مشکل سے راضی کر لیا گیا اسی سلسلے میں جمعیت کے بڑے بڑے اکابر نے ان کی منت سماجت کی جب ان کے سامنے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تو فرمایا:

''نہ کسی سے خود ووٹ کا مطالبہ کروں گا، نہ انتخابی ہنگاموں میں شرکت کروں گا اور نہ مخالفین کے سب و شتم کا جواب دیا جائے گا۔ انتخابات میں ہر امیدوار اپنی اہلیت اور استحقاق کے دعوے کرتا ہے یہ شرعاً ناجائز اور مذموم ہے میں اپنی نااہلی کے باوجود اہلیت کے دعوے کیسے کروں گا۔(۹)

1970ء کے الیکشن کی گہما گہمی تھی اس وقت مولانا مرحوم جمعیت علمائے اسلام کی طرف سے امیدوار تھے ان کا مقابلہ عوامی نیشنل پارٹی کی اس وقت کی ایک اہم شخصیت جناب اجمل خٹک سے تھا اس وقت بھی اجمل خٹک کی پارٹی میں ایک اہم پوزیشن تھی۔ پارٹی والوں نے اس نشست کی جیت کو موت و حیات کا مسئلہ بنالیا تھا۔ اس دوران بعض ناگفتہ بہ واقعات پیش آئے تھے ایک مرتبہ نیشنل عوامی پارٹی کے بعض کارکنوں نے دارالعلوم حقانیہ کے بعض طلبا کے ساتھ کچھ تلخ کلامی کی اور علما کے متعلق کچھ ناشائستہ کلمات کہے۔ بندہ ان دنوں مسجد کے قریب مولانا مرحوم کے ذاتی کمروں میں رہائش پذیر تھا۔ شوروغل سنتے ہی میں بھی مسجد کی طرف چل پڑا۔ اس وقت مولانا مرحوم بھی گھر سے باہر تشریف لا چکے تھے اور طلباء کو صبر و تحمل کا درس دے رہے تھے کہ ہمارے اسلاف نے کبھی گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا حقیقت یہ ہے کہ اس الیکشن کے دوران بعض انتہائی تکلیف دہ واقعات پیش آئے جن کے بیان کرنے سے وہ زخم پھر تازہ ہو جائیں گے۔ الیکشن کی اس پوری مہم کے دوران میں نے کسی موقع پر مولانا مرحوم کو جذبات سے مغلوب ہوتے نہیں دیکھا۔ مولانا مرحوم نے اس تمام معرکے میں نہایت صبر واستقلال اور حوصلے سے کام لیا۔ ہر زخم سہا اور ہر چوٹ سہی لیکن زبان سے اف تک نہ کی۔ مولانا مرحوم نے قومی اسمبلی کے انتخابات میں تین مرتبہ حصہ لیا اور تینوں مرتبہ اپنے مقابل امیدواروں کے مقابلے میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ 1970ء کے انتخابات میں انکے سب سے بڑے حریف جناب اجمل خٹک تھے۔ اجمل خٹک کو 29290 ووٹ جب کہ مولانا مرحوم کو 32234 ووٹ ملے۔ 1977ء کے انتخابات میں تین صوبوں بلوچستان‘ سندھ اور پنجاب کے وزراء اعلیٰ بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے جبکہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ نصر اللہ خان خٹک کو مولانا عبدالحق مرحومؒ کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ 1985ء کے انتخابات میں مولانا مرحوم کو 58 ہزار اور ان کے حریف اسلم خٹک کو دس ہزار ووٹ حاصل ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنے دین متین کی حفاظت کیلئے ایسی مقدس ہستیاں پیدا کیں جن کی زندگیاں اظہار حق اور ابطال باطل کیلئے وقف رہیں سخت نامساعد حالات اور الحادی قوتیں انہیں صراط مستقیم سے ایک انچ بھی نہ ہٹا سکیں۔ بندہ ان لوگوں کے ساتھ محبت کو اپنی سرمایہ حیات سمجھتا ہے۔

احب الصالحین ولست منهم

لعل الله یرزقنی صَلاحا

مولانا کوثر نیازیؒ اپنی تصنیف ”جنہیں میں نے دیکھا“ میں حضرت مولانا عبدالحقؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

میں شیخ الحدیث سے ملا تو انکی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا۔ ان کا اسوقت کا سراپا اور بعض عادات اب تک میری نگاہوں میں ہیں۔ سرخ و سپید چہرے پر خوبصورت سفید براق ڈاڑھی‘ ڈیل ڈول متناسب نہ پتلے نہ موٹے‘ چترالی چغہ زیب تن‘ سر پر دستار پاؤں میں دیسی جوتا جسے عرف عام میں کھوسا کہتے ہیں۔ چہرے پر ایسا بھولپن اور معصومیت کہ دیکھنے سے جی نہ بھرے۔ اتنے بڑے

عالم مگر مظاہرہ علمیت کے طور طریقوں سے کوسوں دور۔ خلیق اور متواضع اتنے کہ میں دن اور رات میں جتنی مرتبہ کمرے میں آتا جاتا اور وہ اس سے پہلے وہاں تشریف فرما ہوتے تو اٹھ کر استقبال کرتے میں ہر طرح ناچیز اور ہیچ ہمدان مگر اتنی شفقت فرماتے جیسے میں خادم نہیں مخدوم ہوں۔ (۱۰)

مختصر یہ کہ حضرت مولانا عبدالحق مرحومؒ ایک جامع الصفات شخصیت تھے سفر ہو یا حضر خلوت ہو یا جلوت مولانا کی زندگی ہر حالت میں خشیت الٰہی کی مرقع تھی۔ بندہ نے خود دیکھا ہے کہ جون جولائی کی کڑکتی گرمیوں میں ظہر کی نماز کے بعد آپ دور سے دارالعلوم پیدل تشریف لاتے۔ عام علماء کا یہ دستور ہے کہ وہ جب کہیں پیدل جاتے ہیں تو اپنے ساتھ دو تین طالب العلموں کو ساتھ ضرور لے جاتے ہیں۔ جبکہ مرحوم اس قسم کے تکلفات کے قائل نہیں تھے۔ عصا ہاتھ میں لئے نظریں نیچی کی ہوئیں وہ مرد قلندر اس طرح چلتے تھے گویا وہ اکوڑہ خٹک میں کوئی مسافر اور پردیسی ہے جس کا کوئی جاننے والا نہیں۔

بد قسمتی سے میں اپنے استاد محترم کے جنازے میں شرکت نہ کر سکا۔ بندہ ان دنوں اپنے گاؤں گل آباد (مرہ) میں رہائش پذیر تھا اس وقت بندہ کے گھر میں نشر و اشاعت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اخبارات بھی ان دنوں گاؤں نہیں منگوائے جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے میں ان کی وفات سے بروقت خبر نہ ہو سکا۔ کافی دنوں بعد ایک دوست نے مولانا مرحومؒ کی وفات کی خبر سنائی بے اختیار زبان پر یہ شعر آگیا۔

من شآ بعلاك فليمت فعليك كنت أحاذر

حضرت مولانا مرحومؒ نے ۱۷ ستمبر 1988ء کو خیبر ٹیچنگ ہسپتال میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

....

مصادر و مراجع

۱۔ الرحمان، ۲۶

۲۔ الجامع الصحیح : للمسلم کتاب الادب باب اذا احب اللہ عبداحببہ الی عبادہ

۳۔ اکابر علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انار کلی لاہور۔ ص ۳۴۲

۴۔ دارالعلوم حقانیہ کا مختصر تاریخی جائزہ، پروفیسر افضل رضا، ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ماہ نومبر 1996ء

۵۔ ایضاً

۶۔ الترغیب والترھیب للامام المنذری، دارالحدیث قاہرہ جزء رابع کتاب التوبہ والزھد ص ۱۹۷

۷۔ بیس مردان حق، عبدالرشید ارشد، مکتبہ رشیدیہ لاہور۔ ص ۹۵۴

۸۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ، موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ ص ۱۵

۹۔ ایضاً

۱۰۔ جنہیں میں نے دیکھا، مولانا کوثر نیازی، جنگ پبلشرز لاہور، ص ۱۵۹

مولانا عیسی منصوری (لندن)

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
اس صدی کے اکابرین امت کی نظر میں

حضرات گرامی قدر آج ہم مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی زندگی، شخصیت، سیرت، علوم وافکار وخدمات کے تذکرے اور آپکی زندگی وکارناموں سے رہنمائی حاصل کرنے انہیں مشعل راہ بنانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہمارا یہ اجلاس مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے علوم اور عصر حاضر میں آپ کے فکری کام کے حوالے سے اہم پیش رفت ہے حضرت مولاناؒ کی حیات مستعار کے ۷۰ سالہ شب وروز اور آپ کی علمی وفکری جدوجہد کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ آپ نے مغربی فکر وفلسفہ کا گہرا تجزیہ کر کے مغربی افکار و نظریات اور تمدن وسیاست کی زہرناکی اور پوری انسانیت کے لئے اس کی تباہ کاریوں پر مفصل ومدلل بحث فرمائی اس کا سلسلہ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین سے شروع ہو کر اسلام اور مغربیت کی کشمکش نقوش اقبال سمیت متعدد تصانیف اور سینکڑوں مضامین وتقاریر پر محیط ہے اور شکر ہے کہ یہ سارا علمی ذخیرہ محفوظ ہے دوسرے آپ نے قرآن وسنت اکابرین ملت اور ملت اسلامیہ کی تاریخ کی روشنی و رہنمائی پر نہایت سنجیدہ ومثبت علمی انداز میں کام کیا اس کا سلسلہ "سیرت احمد شہید" "تاریخ دعوت وعزیمت "اور اسمعیات کے سلسلہ سے شروع ہو کر منصب نبوت، نبی رحمت، ارکان اربعہ اور سینکڑوں مقالات ومضامین کی صورت میں ہزارہا صفحات میں پھیلا ہوا ہے یہ عظیم ذخیرہ بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے واقعہ یہ ہے کہ عالم اسلام میں عصر حاضر کے مسائل، چیلنجز، مغرب کی تمدنی وفکری یلغار علمی وفکری فتن کو جس شخصیت نے سب سے سے زیادہ سمجھا، محسوس کیا اور اسکا علمی طور پر جواب تیار کیا، ملت اسلامیہ کے شعور کو بیدار کیا نئی نسل کی رہنمائی کی وہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ہیں۔ اسی مناسبت سے بندہ نے اپنے مقالہ کا عنوان صدی کی شخصیت تجویز کیا تھا اللہ تعالیٰ نے موجودہ صدی میں ملت اسلامیہ کی علمی وفکری رہنمائی کا بنیادی کام آپ سے لیا لیکن بعض کرم فرماؤں کے اصرار پر اب بندہ کے مقالہ کا عنوان ہے مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اکابرین امت کی نظر میں۔

حضرات گرامی قدر! حضرت مولاناؒ جیسے مشاہیر کی زندگیاں تقویم کے ایام وشہور یا کسی کیلنڈر کے کسی

چھوٹے بڑے دن میں پیدائش ووفات کے تعلق وتذکرے کی رہین منت نہیں ان کی یاد کے لئے کسی خاص موسم یا فصل گل کی بھی ضرورت نہیں ان کا وجود تاریخ کی ایک سچائی اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اس لئے کوئی موسم ہو بہار و خزاں کا کوئی دور ہو ان کی یاد ہماری تعلیم و تہذیب کی ایک لازمی ضرورت ہے ہم ان کے تذکرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

حضرات گرامی قدر ! ہم کسی شخصیت کی رسمی طور پر یاد منانے کے قائل نہیں ہم تو اپنے اسلاف کی سیرت اور انکے افکار کے محاسن کے جویا ہیں ہم ان کے روشن کارناموں اور عظیم الشان خدمات کو مشعل راہ بنانا چاہتے ہیں ہم اس عہد سعادت اور دور علم و تہذیب کی بازیافت کے لئے کوشاں ہیں۔ جس کے سانچوں میں علم وعمل کے جامع اور ایثار و قربانی کے مجسمے اور اخلاق و سیرت کے یہ حسین پیکر ڈھلا کرتے تھے ہم چاہتے ہیں کہ ان کے علوم وافکار سے ہمارے سینے معمور اور دماغ روشن ہوں ان کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہو ان کے کارنامے اور ایثار ہمارے لئے مشعل راہ ہوں یہاں تک کہ ہمارے نوجوانوں کی زندگیاں اپنے اسلاف کرام کی یادگار اور نمونہ بن جائیں۔ حضرت مولاناؒ اسلام کے خدمت گاروں اور حق پرستوں کے جس قبیلے ایثار پیشہ گانِ ملت کے جس قافلے اور تجدید احیاء اسلام کی تحریک کے جس سلسلۃ الذھب سے تعلق رکھتے تھے اس کی مختلف کڑیاں صدیوں پر پھیلی ہوئی تاریخ کو محیط ہیں اس وقت ہمارا موضع اور اس سیمینار کے انعقاد کا مقصد مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے علوم وافکار سے روشنی حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ عصر حاضر میں نئی نسل کے لئے علمی وفکری رہنمائی کا سب سے زیادہ ساز وسامان حضرت مولاناؒ کی عملی زندگی اور آپ کی تصانیف میں موجود ہے۔

حضرت مولاناؒ کی شخصیت میں فیضان الٰہی سے علم وعمل، فکر وسیرت، اخلاق و تہذیب کی بے شمار خوبیاں جمع ہو گئی تھیں آپ کے علم وفکر تالیف و تدوین اور شرح و تفسیر علوم وفنون اور خدمات ملت اسلامیہ کی جو خوبیاں دنیا پر ظاہر ہوئیں اور اصحاب علم و نظر نے جن کا اعتراف کیا وہ یہ نہیں کہ آپ کا ایک بلند پایہ عالم دین تھے قرآن وحدیث اور تاریخ عالم واسلام میں آپ کی گہری نظر تھی خاص طور پر علوم قرآن کے بے مثال عالم تھے حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و معارف کے محقق و شارح تھے۔ آپ اپنی خدمات کی وجہ سے عالم اسلام کے دلوں کی دھڑکن بن گئے تھے۔ آپ کو منجانب اللہ جو عزت و توقیر اور قدر ومنزلت عطا ہوئی وہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے اور واضح طور پر (سیجعل لھم الرحمن ودّا) کی عملی تفسیر اس دور کے مختلف الخیال اصحاب فضل وکمال میں ایسی ہمہ گیر مقبولیت کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ کے یہاں علم کے موتیوں اور معرفت کے جواہر

پاروں کی ایسی ریل پیل رہتی کہ جن کے لمحوں کو محفوظ کرلیں تو صدیاں فائدہ اٹھاتی رہیں۔ آپ موجودہ دور میں امام غزالیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ کے علوم وافکار کا زندہ و تابندہ نمونہ تھے جس کا نہ صرف ہم عصر بلکہ آپکے اکابر و بزرگوں نے بھی دل کھول کر اعتراف فرمایا یہی اعترافات اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

اس صدی کے سب سے بڑے امت کے مصلح اور شریعت و طریقت کے جامع حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک گرامی نامہ میں اس طرح مخاطب فرماتے ہیں :

مخدمت مجمع الکمالات زید لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

فرحت نامہ پہنچا ہر ہر لفظ حیات نقش تھا جزاکم اللہ علی ھذہ المحبۃ آپ کے صدق و خلوص و سلامت فہم کے اثر سے میری طبیعت بھی دفعتاً آپ سے بے تکلف ہو گئی۔

حضرت حکیم الامتؒ کی محتاط و معتدل شخصیت سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا آدمی بھی جانتا ہے کہ حضرت کے ہاں محض رسمی طور پر یا تکلفاً القاب اور اعزاز و اعتراف کا رواج نہ تھا۔ ایک ۱۹ سالہ نوجوان عالم دین کو مجمع الکمالات لکھنا جہاں بہت بڑا اعزاز اور بڑی باوقار سند ہے وہیں مولاناؒ کے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کے کمالِ فراست کی دلیل بھی۔ اس صدی کے سب سے بڑے داعی الی اللہ امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی نظر میں مولاناؒ کا جو مقام واحترام تھا اسکا کسی قدر اندازہ آپ کے ان مکتوبات سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے مولاناؒ کو تحریر فرمائے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

مخدومی و مکرمی حضرت سید صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں محترم کی توجہات عالیہ سے تبلیغ کو جسقدر نفع پہنچا ہے اب تک لگنے والوں میں سے کسی کو نہیں پہنچا اللہ تعالیٰ آپکی مقدس توجہات کو اس طرف اور زائد سے زائد مبذول فرمائے آپکی تشریف آوری کا انتظار ہے توجہات عالیہ اور دعواتِ صالحہ کا امیدوار ہوں (بندہ محمد الیاس غفرلہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۳)

اور ایک مکتوب کی ابتدا اس طرح فرماتے ہیں :

مخدمت عالی عمدۃ الآمال والا مانی مکرم محترم جناب سید صاحب دام مجدکم : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اس سے پہلے گرامی نامہ عالی شرف صدور لاکر بہت دنوں تک اپنے لئے وسیلہ آخرت سمجھتے ہوئے اسکی حفاظت کرتا رہا اور مکرر سہ کرر اپنی آنکھوں اور دل کو تسلی دیتا رہا...... میری امیدوں اور تمناؤں کے ودیعت گاہ محترم سلالہ خاندان نبوت جناب عالی کا مہمانانِ نبوت کو ساتھ لیکر اس کام کیلئے قدم مبارک کا اٹھانا جس قدر عظیم ہے اسی قدر اس کی وقعت...... میرا ضمیر شہادت دے رہا ہے کہ یہ کام دراصل آپ جیسے اہل اور خاندانِ نبوت ہی کے کرنے کا ہے۔ آپ کے قلوب سے جس قدر اس کے

لئے شرح صدر کے ساتھ استقامت ظہور میں آتی چلی جائے گی اسی قدر گویا اس کے درست ہونے کی امیدیں صحیح ہوتی چلی آئیں گی۔

ایک بار حضرت مولاناؒ نے اپنے دہلی حاضری کی اطلاع دی تو رئیس التبلیغ مولانا الیاسؒ نے اس خوشخبری پر تحریر فرمایا جناب کی تشریف آوری کا مژدہ روئیں روئیں کو تر و تازہ کر رہا ہے حق تعالیٰ ہمیں آپ کی ذات گرامی سے منتفع فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ آپ کی خاندانی نسبت خصوصاً حضرت سید احمد شہیدؒ کے کس قدر معترف و معتقد تھے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں : از سگ آستانہ عزیزی و احمدی بندہ محمد الیاس عفی عنہ بسلالہ خاندان نبوت جوہر تابان معدن سیادت جناب سید صاحب دام مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : ایک اپنے خاندان کے ذرہ بے مقدار خادم سے اپنے ذاتی جوہر اور حسن ظن کے سرمایہ کی بدولت کیسی خدمت وابستہ فرمادی یہ بندہ ناچیز نہ اس کا اہل ہے نہ بندہ کو مضامین پر دسترس ہے لیکن عادۃ اللہ یہ جاری ہے انا عند ظن عبدی بی آپ جیسے حضرات کے حسن ظن کا بھی اثر ہوگا اور نتیجہ ہوگا کہ فیاض ازلی سے کچھ نصیب ہو جاوے گا۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے وفات سے دو روز پہلے فرمایا :

”مولانا میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں آپ کی کیا تعریف کروں تعریف کرنا محبت کا اوچھا پن ہے“

پھر اچانک سر اٹھا کر مولانا علی میاںؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا ”اچھا جائیے دولت قرآن مبارک ہو“

دنیا جانتی ہے الشیخ الندوی کو قرآنی علوم و معارف مطالب و مقاصد کے افہام و تفہیم کا ایک خاص نرالہ و البیلا ذوق و ملکہ عطا ہوا تھا کیا خبر یہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی دعاؤں اور توجہ کا اثر ہو! ایک بار مولاناؒ شہر کے کسی تبلیغی گشت میں تشریف لے گئے تھے حضرت مولانا الیاسؒ نے فرمایا

”ایک آدمی میری بات سمجھنے والا تھا تم نے اس کو بھی بھیج دیا اب میں کس سے بات کروں۔“

حضرت مولانا الیاسؒ کے جانشین داعی الی اللہ امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ ایک طویل خط میں لکھتے ہیں

مخدوم و مکرم و معظم جناب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرت عالی مجھے دل سے اعتراف ہے کہ آپ نے حضرت مولانا مرحوم (مولانا الیاسؒ) کی اس وقت قدر کی جس وقت یہ ناچیز ناقدری کر رہا تھا اور آپ نے اس وقت عمل کی طرف قدم اٹھایا جس وقت یہ حقیر اس سے پہلو تہی کر رہا تھا، آپ سنتے تھے، تعمیل کرتے تھے، سمجھتے تھے اور محفوظ رکھتے تھے اور اس کام کے انہماک اور دعوت کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے جا رہے تھے، اعتماد و افتخار کے ساتھ حضرت مولاناؒ کا نام لے کر فرمایا کہ ”وہ آئیں گے تو ہم ان سے چمٹ جائیں گے کہ یہ کام کر کے جاؤ“ اللہ

تعالیٰ نے آپ کی دعوت میں تاثیر دی اضلاع متصلہ سے باہر یہ کام آپ کی ہی وساطت سے پھیلا اور علمی حلقوں میں آپ ہی کی وساطت سے یہ چیز پہنچی ...... اگر حضرت عالی اپنے ان کمالات و فیوض سے جو حضرت مرحوم کے ساتھ محبت و تعلق اور اس کام کی طرف سبقت و دعوت سے آپ کو حاصل ہیں اور سادات جواہرات نے اس کو چار چاند لگائے ہیں ہم خدام کو مستفید فرمائیں تو عین مراحم خسروانہ ہوں اگر زیادہ نہیں تو کم از کم ایک ہفتہ عشرہ کے لئے تشریف لائیں تاکہ بقیہ تبلیغی حالات تفصیل سے سامنے رکھے جا سکیں اس وقت ہم خدام کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔

حضرت مولاناؒ ولی کامل عارف باللہ مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے محبوب ترین اور معتمد ترین خلفاء میں سے تھے مولانا لاہوریؒ آپ سے اپنے حقیقی بیٹے کی طرح محبت فرماتے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "چونکہ آپ میرے پاس ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا جو فضل بھی آپ پر ہو وہ میرے لئے باعث صد فخر ہے مجھے جس طرح (صاحبزادہ) مولوی حبیب اللہ سلمہ کی ترقی سے فرحت ہو سکتی ہے اسی طرح بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر اس سے زیادہ خوشی اور سرور آپ کے درجات کی ترقی سے ہوتا ہے اب یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور موجودہ دور فتن میں تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے امین یا الہ العالمین۔

حضرت لاہوریؒ ایک اور مکتوب میں رقم طراز ہیں "میرے دل میں آپ کی جو عزت ہے اسے ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت نہیں سمجھتا اسی محبت و عزت کا نتیجہ ہے کہ میں نے حج کی رات مسجد خیف میں آپ کے درجات کی ترقی کیلئے بارگاہ الہی سے استدعا کی اور الحمد للہ اس نے بارگاہ الہی میں قبولیت پائی"۔

ایک اور مکتوب میں حضرت لاہوریؒ لکھتے ہیں :

"(آپکا خط پڑھا) تو اس میں آپ نے اپنی شرافت خداداد اور سعادت ازلی کے وہ موتی الفاظ کی لڑیوں میں پروئے ہوئے تھے جنہیں پڑھ کر بے ساختہ آپ کی صلاحیت و شرافت اور سعادت کی دل نے داد دی اور دل سے دعا نکلی کہ اے اللہ مولوی ابوالحسن صاحب کو اپنی رضا میں فنا کر کے دین کی خدمت کا بہت بڑا کام لے اور انہیں تادیر سلامت رکھ کر دین کی تبلیغ اور خلق اللہ کے باطن کی تربیت کی توفیق عطا فرما اور انھیں اخلاص واستقامت کے عطیات سے سرفراز فرما امین یارب العالمین"

حضرت لاہوری کی طرح قطب وقت حضرۃ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بھی آپکو اجازت و خلافت حاصل تھی حضرۃ رائے پوری کو جو آپ سے محبت وانسیت اور تعلق خاطر تھا' اسکی شہادت حضرت رائے پوری کے دوسرے محبوب خلیفہ حضرۃ مولانا محمد منظور نعمانی کی زبان سے سنئے حضرۃ مولانا نعمانی ایک جگہ لکھتے ہیں :

"اگرچہ یہ ناچیز ہی مولانا علی میاں کے جانے اور حضرت سے تعلق قائم ہونے کا اول ذریعہ بنا

حضرت سے بیعت کا شرف بھی پہلے ناچیز ہی کو حاصل ہوا لیکن موصوف کی ان خداداد صفات اور خصوصیات کی وجہ سے جن کے اللہ کے یہاں اور اسکے مقبول بندوں کے ہاں جتنی زیادہ قدر و قیمت ہے حضرت کے ہاں محبوبیت کا جو مقام ان کو حاصل ہوا وہ اس ناچیز کے لئے موجب مسرت ہونے کے باوجود ہمیشہ رشک و غبطہ کا باعث بنا رہا (ذالك فضل الله يوتيه من يشاء) "

حضرت رائے پوریؒ نے ۲۸ نومبر 1956ء ایک مکتوب میں مولانا علی میاںؒ کو مخاطب فرماتے ہوئے مولانا روم کے وہ اشعار تحریر فرمائے جو انہوں نے حضرت شمس تبریزؒ کے اشتیاق میں تحریر فرمائے تھے اور تحریر فرمایا کہ :

"آپ کے آنے سے میری کٹیا (خانقاہ) ایسے روشن ہو گئی جیسے شمس تبریز کے آنے سے مولانا رومؒ کے آستانے میں بہار آگئی تھی۔"

حضرت رائے پوریؒ کو مولاناؒ کی ذات سے جو محبت وانسیت کے ساتھ نازو افتخار کا تعلق تھا اس کا اظہار وظہور زبانی تحریری و عملی طور پر ہوتا رہتا تھا چنانچہ جب لاہور کے ایک عالمی اجلاس میں قادیانیت کے تعلق سے ایک عربی کتاب کی ضرورت محسوس کی گئی تو حضرت رائے پوریؒ نے بڑے اعتماد وافتخار کے ساتھ حضرت مولاناؒ کا نام لے کر فرمایا کہ "وہ آئیں گے تو ہم ان سے چمٹ جائیں گے کہ یہ کام کر کے جاؤ"

آپ کے شیخ حضرت رائے پوریؒ اپنے آخری حج 1950ء میں آپ کو خاص اہتمام واصرار سے اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا کہ "یہ سفر میں نے تمہارے لئے کیا ہے۔"

مکہ مکرمہ میں آپ کے شیخ حضرت رائے پوری کی شفقت و محبت کا یہ عالم کہ جب حضرت مولانا دعوتی و تبلیغی مصروفیات سے فارغ ہو کر مستقر پر پہنچتے تو شیخ کو اپنا منتظر پاتے انتظار واشتیاق کا وہ انداز جیسے ماں اپنے بچے کیلئے سراپا انتظار رہتی ہے آتے ہی کھانے کیلئے فرماتے کبھی کبھی خود اپنے ہاتھ سے لقمے بنا کر منہ میں رکھتے حضرت مولانا لکھتے ہیں :

"جب میں خیمہ میں قدم رکھتا تو دیکھتا کہ حضرت بیٹھے ہوئے ہیں سامنے رومال میں روٹیاں لپٹی ہوئی رکھی ہیں مجھ کو دیکھ کر فرماتے "علی میاں تم کو کھانے کا بھی ہوش نہیں یہ دیکھو تمہارے لئے چپاتیاں لئے بیٹھا ہوں کہ خمیری روٹی تم کو نقصان کرتی ہے"

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جو آپ کے حدیث شریف کے استاد بھی تھے آپ کے برادر مکرم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کو ایک بشارت آمیز مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم ساز موصوف (علی میاں) کو مفتاح خیر اور مغلاق شر بنائے حضرت

سید احمد شہید قدس سرہ العزیز کی تجدید ملت اسلامیہ کا علمبردار بنا کر نعمائے لدنیہ سے مالا مال کرے آمین" ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۵ ربیع الاول ۷۰ ۱۳ء

حضرت شیخ الاسلامؒ کی دعا کا اثر دنیا نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ سے اس صدی میں تجدید ملت اسلامیہ کا کام لیا۔

اسی طرح ولی کامل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کی حضرت مولانا سے محبت و انسیت کا اندازہ ان بے شمار خطوط سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرت شیخؒ نے تحریر فرمائے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

"بلا تصنع اور بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کے لئے دعا کرنا اپنا فریضہ اور آپ کا حق سمجھتا ہوں"

حضرت شیخ ۲۲ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ کو مدینہ منورہ سے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

"دعاؤں سے نہ مکہ میں دریغ ہوا نہ مدینہ پاک میں اور یہ بھی یاد نہیں کہ کسی دن آپ کیلئے صلواۃ وسلام پہنچانے میں تخلف ہوا ہو اس سے تو آپ کو بھی انکار نہیں ہوگا کہ دل بستگی جتنی آپ سے ہے اتنی کسی سے بھی نہیں رہی۔

مولاناؒ پر حضرت شیخؒ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ منورہ قیام کے زمانے میں مجلس ذکر میں جب صبح کو حاضری ہوتی تو روزانہ کا معمول تھا کہ عین ذکر کی حالت میں ایک چمچہ تلے ہوئے انڈے کا اور ایک خمیرہ کا مولانا کے منہ سے لگا دیا جاتا اسی طرح حضرت شیخ اپنی عربی تصانیف پر باصرار حضرت مولاناؒ سے مقدمہ لکھوایا کرتے تھے۔ مولاناؒ کی اکثر تصانیف اپنی مجلس میں سنتے اور قدر افزائی فرماتے جب امریکہ میں تقریروں کا مجموعہ (نئی دنیا امریکہ سے صاف صاف باتیں) شائع ہوا تو حسب معمول حضرت شیخ نے اپنی مجلس میں پوری کتاب سنی اور خط تحریر فرمایا کہ اردو کے ساتھ انگریزی و عربی میں ترجمہ ہونا چاہیے تینوں زبانوں میں ایک لاکھ کے قریب نسخے چھپوا کر خوب تقسیم کرائے جائیں اس کتاب کے دو ہزار نسخے حضرت شیخ نے خود خرید کر تقسیم فرمائے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ بادیؒ کو حضرت مولانا سے غایت محبت و شفقت رہی جس طرح مائیں اپنے پیارے بچوں کو پاس بٹھا کر کھلاتی ہیں حضرت کبھی کبھی لقمہ بنا کر مولانا کے منہ میں رکھ دیتے جب کبھی مولاناؒ کے الہ باد پہنچنے کی اطلاع ہو جاتی تو ناشتہ لے کر اسٹیشن پر منتظر رہتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بڑے صاحب کشف بزرگ تھے ایک بار خاص کیفیت میں فرمایا "سب کے دل دیکھ لئے سب کے دل دیکھ لئے لیکن جتنا صاف دل علی میاں کا دیکھا ایسا کسی کا نہیں دیکھا۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل اور مولانا کے محبوب استاد حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ ایک جگہ مولانا کے متعلق یوں رقم طراز ہیں

"آج وہ سید ابوالحسن علی ندوی کے نام سے مشہور روزگار اور تبلیغ دین کے کام میں پورے انہماک کے

ساتھ مصروف ہیں حجاز و مصر کی فضائیں ان کی دعوت کے نغموں سے مسحور ہیں...... اللہ تعالیٰ نے عربی تقریر و تحریر کی دولت ان کو عطا فرمائی ہے جس کو وہ بحمد للہ دین کی راہ میں لٹا رہے ہیں"

مفتی اعظم پاکستان اور حضرت تھانویؒ کے محبوب خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ حضرت مولانا کو موفق من اللہ فرمایا کرتے تھے اور حضرت مفتی اعظمؒ کے باتوفیق صاحبزادے حضرت مولانا جسٹس تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ایک جگہ حضرت مولانا کے متعلق ان الفاظ میں اپنے احساسات لکھتے ہیں

"مفکر اسلام کی شخصیت ہمارے دور کی ان معدودے چند شخصیات میں سے ہے جن کے تصور سے نہ صرف اپنے زمانہ کے احساس میں کمی آتی ہے بلکہ ان کے صرف وجود ہی سے اس پر فتن زمانہ میں تسلی وڈھارس کا احساس ہوتا ہے"

جب حضرت مولانا کو 1955ء میں دمشق یونیورسٹی میں بطور استاد تقرری کی نوید ملی تو اس اعزاز کی خبر پر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد (دکن) کے شعبہ دینیات کے سربراہ اردو کے بے مثال ادیب حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے تاثر کا اظہار ان الفاظ میں کیا تحریر فرماتے ہیں :

"اخبار جمعیۃ کے بعد اخبار مدینہ میں بھی اس تاریخی امتیاز کی خبر پڑھی جو صدیوں کے بعد ہندوستان کو حاصل ہوا (شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ہم عصر علامہ صفی الدین بدایونیؒ کے بعد شاید آپ دوسرے ہندی عالم ہیں جن کو شام میں پڑھانے اور اپنے علوم سے شامیوں کو فائدہ پہنچانے کا موقع ملا بلکہ صفی ہندی تو خود گئے تھے اور آپ کو وہاں کی حکومت اور جامعہ نے طلب کیا ہے وشتان بینھما یہ امتیاز آپ کی شخصیت تک ہی محدود نہیں بلکہ سارے ہندی علما کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔"

بھوپال کے حضرت شاہ یعقوب مجددیؒ آخری دور میں مجددیہ سلسلہ کے بڑے صاحب دل بزرگ ہوئے ہیں آپ حضرت مولانا کا غایۃ احترام فرماتے باایں ہمہ کمالات حضرت شاہ صاحب کا معمول تھا کہ مولانا کے لئے سٹیشن پر تشریف لاتے یہ صرف حضرت مولانا کا امتیاز تھا بندہ نے آنکھوں سے دیکھا امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ بھوپال کے سالانہ عالمی اجتماع میں شرکت کے موقع پر پابندی سے حضرت کی مجلس میں شرکت فرماتے ایک بار گاڑی لیٹ ہونے کی وجہ سے رات کا بڑا حصہ حضرت کا اسٹیشن پر کٹا حضرت مولانا نے خط میں اس پر ندامت کا اظہار کیا شاہ صاحب نے جواباً مکتوب تحریر فرمایا :

"اس عاجز کو جو روحانی آرام اس شب حاصل ہوا جس رات کو حضرت کے استقبال میں اسٹیشن پر رہا تھا ایسی خوشی و فرحت کی کوئی رات مجھ کو اپنی زندگی میں یاد نہیں جسمانی کوفت بہت قلیل اور روحانی فرحت بہت کثیر"

عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھیؒ فرمایا کرتے تھے :

"چونکہ علی میاں اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو علم کے پردے میں چھپا رکھا ہے اگر وہ اپنے کو ظاہر کر دیں تو دوسرے پیروں کو مرید نہ ملیں۔"

محدث شہیر جانشین حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ حضرت مولانا کو آیۃ من آیات اللہ فرمایا کرتے تھے۔ عارف باللہ صدیق زمانہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ اپنے آخری مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

مخدومی حضرت اقدس دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : احقر کو اپنے اکابر سے الحمد للہ ہمیشہ سے عقیدت رہی ہے اور ہے اسوقت حضرت والا کی عقیدت اور عظمت جو اس ناکارہ کے دل میں ہے اسکو سب پر فوقیت اور اولیت حاصل ہے اور یہ زندگی کا سرمایہ ہے اللہ تعالیٰ اخیر وقت تک اسکو باقی رکھے۔

حضرت مولانا اشرف سلیمانی خلیفہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں :

"علی میاں کا خمیر محبت و نرمی سے عبارت ہے علم و تقویٰ نے ان سے فروغ پایا ہے اور جامعیت علوم کی مسند ان سے مزین ہے مشرق و مغرب کے دینی تقاضوں اور جدید طبقہ کے نبض آشنا ہیں ان کی تحریر دلوں کے اندر اتر جاتی ہے اور بیک وقت دل و دماغ دونوں کو تسلی کا سامان مہیا کر دیتی ہے۔"

حضرت مولانا کے دیرینہ رفیق محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ جن کی حضرت مولانا سے نصف صدی سے زیادہ رفاقت رہی عرصہ تک دن رات کا ساتھ رہا معاصرت اور ایسی طویل رفاقت کے ساتھ حضرت نعمانی کی رائے و تاثر جتنا وقیع اور باوزنی ہو سکتا ہے ظاہر ہے تقریبا ۴۰ سال پہلے ۱۹۵۴ء میں دیوبند کے طلبا نے حضرت مولانا کو خطاب کی دعوت دی اور اس کیلئے حضرت مدنیؒ سے سفارشی خط لکھوایا آپکے اس خطاب کو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ نے شعبان ۱۳۷۲ھ کے الفرقان میں شائع فرمایا اور اس خطاب پر اور حضرت مولانا کی شخصیت پر اپنا تاثر ان الفاظ میں قلمبند فرمایا :

"یہ مقالہ اگرچہ مقالہ ہی ہے کوئی کتاب نہیں ہے لیکن اپنا یہ احساس و تاثر بے تکلف ظاہر کر دینے کو جی چاہتا ہے کہ اس عاجز کی نظر میں اس کی قیمت و اہمیت سینکڑوں صفحات والی بہت سی کتابوں سے بھی زیادہ ہے اس عاجز کا سن تو اگرچہ ابھی پچاس سے بھی کم ہے لیکن زندگی مختلف میدانوں میں ایسی رواں دواں گذری ہے کہ اتنی ہی عمر میں بہت کچھ دیکھ لیا اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا یہ تجربہ اور میری واقفیت اتنی ہے کہ اپنی اس رائے کے اظہار کا مجھے بجا حق ہے کہ ہماری اس دینا میں ایسے لوگ بہت ہی کم پیدا ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن ثاقب بھی ملا ہو اور دل روشن بھی جو اس دوڑتی ہوئی اور کروٹیں [illegible]

ایمانی حقائق کے بارے میں وارثین انبیاء کرام کی طرح صاحب یقین بھی' الغرض ہماری اس دنیا میں یہ جنس بہت ہی کمیاب ہے اور اللہ کے ایسے بندے جو ان دونوں صفتوں کے جامع ہوں اس عاجز نے غالباً اتنے بھی نہیں دیکھے جتنی کہ اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں ہیں لیکن جو دو چار دیکھے ہیں ان میں ایک ذات رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بھی ہے اللہ کی خاص عنایت و توفیق سے وہ صاحب نظر و فکر بھی ہیں اور صاحب قلب بھی اور اپنے علم و معلومات کے لحاظ سے جدید بھی ہیں اور ایمان و یقین اور رسوخ فی الدین اور طرز زندگی کے لحاظ سے قدیم بھی ان کی ذات مدرسہ بھی ہے اور خانقاہ بھی''۔

بر صغیر ہی نہیں عالم اسلام بالخصوص عرب دنیا کے اساطین علم و فضل اور دینی و روحانی شخصیات نے جس فراخدلی سے مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کو خراج تحسین پیش کیا ہے عصر حاضر ہی نہیں بلکہ شاید بر صغیر کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے مفتی اعظم فلسطین مفتی محمد امین الحسینی جیسی عظیم دینی اور مجاہد ہستی اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہے :

''حضرت صاحب الفضیلۃ الاستاذ الجلیل ابی الحسن علی ندوی وکیل ندوۃ العلماء بالھند :

السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' آپ کو ایک مومن مخلص کی شان کے مطابق مرض کی تشخیص اور اس کیلئے دوا تجویز کرنے کی سعادت و توفیق حاصل ہوئی۔

مفتی اعظم فلسطین کا یہ مکتوب ۷ ۲ جولائی **1957**ء کا ہے جس میں آپ نے حضرت مولانا کے ایک فیاض ملت اور آپ کی فکری صوابدید کا اعتراف فرمایا ہے۔

۱۶ سال کی عمر میں آپکا مضمون ترجمہ امام السید احمد بن عرفان الشہید عالم اسلام کے جلیل القدر عالم و محقق علامہ سید رشید رضا نے اپنے معروف رسالہ ''المنار'' میں شائع کیا پھر اجازت لے کر الگ سے کتابچہ کی صورت میں شائع کیا حضرت مولانا کی یہ پہلی تصنیف تھی جو مصر سے عربی میں شائع ہوئی۔

حضرت مولانا کی تعظیم و جلیل خدمات پر خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ۱۹ اگست ۱۹۹۶ء ترکی میں جلسہ تکریم کا انعقاد ہوا جس میں عالم اسلام کے جلیل القدر علماء و مفکرین نے آپ کی علمی و دینی خدمات پر مقالات پیش کئے مصر کے مشہور عالم ڈاکٹر عبدالمنعم احمد یونس نے اس سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا :

'' مولانا ابوالحسن علی ندوی پوری انسانیت کے مربی و محسن و رہنما ہیں عرب و عجم ان کی دعوت و فکر سے نہ صرف آشنا بلکہ ان کا قدردان ہے آج ہمیں دلی مسرت ہے بلکہ ہم فخر و اعزاز محسوس کر رہے ہیں کہ استنبول جیسے تاریخی شہر میں ہم یہ جلسہ ایسی شخصیت کے اعزاز میں کر رہے ہیں جن کی ذات انجمن ساز ہے جس نے اسلامی دنیا ہی نہیں مغربی دنیا کو بھی اپنی شخصیت و فن سے متاثر کیا ہے بہت سے علمی

ادبی اور دعوتی مراکز کا سرچشمہ آپکی ذات ہے"

۱۳ نومبر ۱۹۹۷ء کو ندوۃ العلماء لکھنو میں قادیانیوں کے ارتدادی فتنہ کے خلاف عالمی پیمانہ پر اجلاس منعقد ہوا جس میں امام حرم الشیخ محمد عبداللہ السبیل اور قبلہ اول مسجد اقصیٰ کے امام و خطیب الشیخ محمد صیام نے خصوصی طور پر شرکت کی الشیخ سبیل حرم کعبہ کے سب سے بڑے امام اور حرمین شریفین کے تمام انتظامی و دینی امور کے صدر اعلیٰ ہیں، حضرت مولانا کے ایما پر عالمی اجلاس کی صدارت کے لئے الشیخ محمد عبداللہ السبیل کا نام تجویز ہوا تو شیخ نے فرمایا: "سماحۃ الشیخ ابوالحسن کے ہوتے ہوئے میں صدر نہیں بن سکتا چنانچہ امام حرم کے اصرار و خواہش پر حضرت مولانا ہی نے اجلاس کی صدارت فرمائی۔

عرب دنیا کے ممتاز عالم و خطیب اور مایہ ناز صاحب قلم الشیخ علی طنطاویؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"سیدی الاخ الحبیب فی اللہ الاستاذ الکبیر ابالحسن علی ندوی السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک دن میں ریڈیو والوں کو اپنی گفتگو براڈ کاسٹ کر رہا تھا براڈ کاسٹ کرنے والے نے مجھ سے سوال کیا کون سی جگہ آپ کو زیادہ پسند ہے اور کس جگہ سے آپ کی خوشگوار ترین یادیں وابستہ ہیں اس کا خیال تھا کہ جواب میں میں اپنے شہر دمشق کا نام لوں گا (جو انبیاء کرام، صحابہ کرامؓ اور کثیر اولیاء عظام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ابن کثیر ابن عربی وغیرہ کا مسکن و مدفن ہے اور خود حضرت مولانا کا محبوب ترین شہر ہے) لیکن جب میں نے لکھنو میں ندوۃ العلماء کا نام لیا تو وہ حیران رہ گیا تعجب سے پوچھا لکھنو کیا ہے؟ میں نے جواب دیا الشیخ ابوالحسن علی کا شہر۔"

اپنے دور کے عظیم محدث فقہ حنفی و حدیث کے امام کثیر کتب کے مولف الشیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"یحییٰ بن سعید حدیث یہاں فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موتیوں کی بارش ہو رہی ہو واللہ آپکی باتیں بھی ہمارے لئے ایسی ہی ہیں شکر اس خدا کا جس نے آپکو یہ نعمت دی اور اس پر قادر بنایا اور اس کام کیلئے آپ کو منتخب کیا اور آپکی شخصیت میں ہماری تاریخ کی روشن و شاندار علمی صفحات دکھائے عالی مرتبت علماء سلف کی یاد تازہ کی آپکی ذات گرامی الحمدللہ ان اسلاف کو یاد دلانے کا بہترین نمونہ ہے"

ریاض ۲۰ / ۴ / ۱۴۰۲

عرب دنیا کے مشہور عالم و محقق قطر یونیورسٹی کی کلیۃ الشریعہ کے سربراہ فقہ الزکوۃ جیسی متعدد علمی کتب کے مصنف دینی خدمات میں فیصل ایوارڈ یافتہ عظیم داعی و خطیب الشیخ یوسف قرضاوی ۱۹۹۵ء میں حضرت مولانا کے دوحہ قطر تشریف آوری کے موقع پر اپنی تعارفی تقریر میں فرماتے ہیں:

"الشیخ ابوالحسن علی ندوی ایک عظیم اسلامی شخصیت ہیں وہ سر تاپا اسلام کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اسلام ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا ہے اسلام ہی ان کی ابتداء وانتہاء ہے۔ آپ صحیح معنی میں محمدی (علیہ) ہیں بایں طور کہ آپ نے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے اور پوری زندگی میں حضور علیہ کے طریق ہی کو اپنایا ہے۔ آپ اس دور میں سلف صالحین کا نمونہ اور ان کی سچی یادگار ہیں آپ کو دیکھنے سے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ شیخ کے یقین کامل اللہ پر حقیقی توکل اور امت کی فکر میں ان کی تڑپ اور اپنے آپکو گھلانے نے مجھے ان کا گرویدہ بنالیا ہے۔ میں ان کی محبت سے اللہ کے قرب کا امیدوار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حشر میں مجھے ان کا ساتھ نصیب ہو۔"

شیخ الازھر الشیخ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود پوری اسلامی وعرب دنیا کے مایہ ناز عالم و محقق اسطرح اعتراف فرماتے ہیں:

"الشیخ ابوالحسن علی ندوی آپ نے اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کردی ہے اور اپنے شب وروز ایک مخلص و متقی مسلمان کی طرح گذار رہے ہیں آپ نے پاکیزہ اسلوب و کردار اور عمدہ اسلامی لٹریچر کے ذریعہ اسلام کی آواز کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا ہے۔"

نصف صدی پہلے ۱۹۵۰ء میں سعودی ریڈیو نے حضرت مولانا کی شخصیت پر ایک تفصیل خاکہ پیش کیا جو تقریباً دس صفحات کو محیط ہے اس کا تھوڑا سا حصہ یہ ہے:

ہم سامعین کے سامنے عصر حاضر کی ایک ایسی جامع الصفات اور منفرد شخصیت کو پیش کرنے جا رہے ہیں جو پوری اسلامی دنیا کے لئے ایک بہترین نمونہ و آئیڈیل ہے یہ شخصیت گذشتہ زمانہ کے لحاظ سے بھی قابل تقلید اور ہر زمانہ ہر جگہ کے لئے موزوں و مثالی شخصیت ہے یہ وہ عظیم ہستی جو ہر نایاب اور وہ نیک انسان ہے جن کے دل میں انسانیت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے آپ ایسے پارسا اور دیندار ہیں جنہیں دیکھ کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی ایک نابغہ عصر اور نادرہ روزگار شخصیت ہیں جن کی عبقریت مسلم ہے جس ناحیہ سے بھی دیکھتے ہیں انہیں عظیم و مثالی پاتے ہیں آپ کی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں جو عصر حاضر کے فخر قوم وملت اور فخر اسلام ہیں۔ جس وقت سعودی ریڈیو آپ کی زندگی کی جھلکیاں پیش کر رہا تھا اس وقت آپ کی عمر محض ۳۵ سال تھی اس کے بعد نصف صدی تک اللہ تعالیٰ نے آپ سے دین کے مختلف شعبوں میں احیاء دین کا کام لیا حتی کہ آپ کی شخصیت پورے عالم اسلام کیلئے متفقہ طور پر محبوب ترین ہستی بن گئی ہم اس دعا پر اس مقالہ کو ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت مولانا کے گرانقدر علمی سرمایہ پر اور تصانیف سے فائدہ اٹھانے اور آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ امین یارب العلمین ۔ وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین ۔

جناب ضیاء الدین لاہوری

تذکرہ ہائے سرسید میں تضاد اور بددیانتی کی چند مثالیں

مطالعہ سرسید کے دوران میں بعض ایسے مقامات آتے ہیں جہاں قاری سخت الجھن میں پڑ جاتا ہے وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ مضمون نگار یا مولف کی زیر مطالعہ باتوں پر یقین کرے یا اس کی کسی دوسرے موقع کی متضاد تحریر کو سچ مانے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خاص مسئلے کے ضمن میں سرسید کے ''کارنامے'' کے طور پر بیان کردہ اسکا تجزیہ درست ہے یا اس ''کارنامے'' کے رد میں سرسید کا بیان قابل قبول ہے۔ جب وہ قومی نقطہ نظر سے لکھی گئی تاریخ کی باتوں کا سرسید کے اقوال واعمال کے ساتھ موازنہ کرتا ہے تو انہیں ایک دوسرے کی ضد پا کر پریشان ہو جاتا ہے۔ میں اپنے تعلیمی نصاب کے شکار اس معصوم قاری کی بات نہیں کر رہا جو ہمارے موجودہ تعلیمی ماحول میں مخصوص حلقوں کی ہر بات تسلیم کرنے پر مجبور ہے' میرا مطلب اس قاری سے ہے جو مطالعہ کرتے ہوئے اپنے ذہن سے 'ہاں ______ اپنے ذہن سے 'سوچتا ہے اور موضوعات سے متعلق سیاق و سباق کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔ مگر چونکہ وہ بھی تعلیمی نصاب کی تکمیل کے مراحل سے گزر کر اس مقام تک پہنچا ہے اور یوں اجتماعی ذہنی دھلائی کے غیر محسوس عمل کے زیر اثر بھی رہا ہے اس لئے آزادانہ سوچ کے آغاز میں اس کی پریشانی ایک قدرتی امر ہے۔ یہ کیفیت اسے اصل مآخذ کی ورق گردانی پر آمادہ کرتی ہے اور تمام حالات پر غور کر کے وہ بالآخر حقائق تک پہنچ ہی جاتا ہے اس کے برعکس نصاب زدہ قاری اس تردد میں پڑنے کی زحمت گوارا کرنا ضیاع اوقات سمجھتا ہے اور کولہو کے بیل کی مانند موجودہ نصاب کے کھونٹے کے گرد چکر لگاتے رہنے ہی کو فخر سمجھتا ہے۔ سہل پسندی اسے تحقیق کی طرف متوجہ نہیں کرتی۔ اگر وہ اپنا نام خود ساختہ دانشوروں کی فہرست میں شامل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کا تعصب مزید قوی ہو جاتا ہے اس صورت میں اس کے سامنے بے شک حقائق کا انبار لگا دیا جائے' وہ اپنے تعصب کو ذہن سے نہیں نکالتا بلکہ رٹے رٹائے جملوں سے ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ سرسید احمد خان کی شخصیت اور ان کے افکار پر بے شمار مقالے لکھتا ہے' کتابیں تالیف کرتا ہے مگر انکی اہم تصانیف کا مطالعہ تو کجا' انہیں ہاتھ لگانے کی بھی نوبت نہیں آنے دیتا کیونکہ اس موضوع پر جو کچھ اس کے ذہن میں پختہ ہو چکا ہے وہی اس کا علم اول تا آخر ہے وہ اسے ہی مکمل سمجھتا ہے اور مزید مطالعے کو اپنی توہین سمجھتا ہے لہٰذا اس کی تمام ''تخلیقات'' الفاظ کے الٹ پھیر سے گھوم پھر کر ایک ہی مخصوص نکتے پر آن جمع ہوتی ہیں۔ اس کا محدود علم ہی اس کی دانشوری کی بنیاد ہے اس لئے وہ حقائق قبول کر کے اپنی دانشوری کو داؤ پر نہیں

اگا سکتا۔ اسے خدشہ ہوتا ہے کہ اس طرح اسے اپنی سابقہ تحریروں کا رد کرنا پڑے گا اور اسکی "قدر و قیمت" نہیں رہے گی۔ حقائق کو قبول نہ کرنے کے سبب اس کی تحریروں میں تضاد جنم لیتا ہے مگر وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی لاعلم رہنے ہی میں اپنی "عافیت" سمجھتا ہے یا پھر "میں نہ مانوں" کی گردان الاپتا رہتا ہے۔

سرسید احمد خان کی شخصیت انکے بعض اختلافی تعلیمی و سیاسی افکار اور مذہبی عقائد کے باعث انکے عہد ہی سے متنازعہ فیہ چلی آرہی ہے انکے پرستار اہل قلم افراد کی جذباتی تحریروں نے ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو بڑی طرح متاثر کر رکھا ہے۔ بعض نامور اساتذہ اور معروف دانشور اپنے لیکچروں اور مقالوں میں انکے متنازعہ کردار کے بارے میں لفاظی کے وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ اصل مسئلہ دبادیا جاتا ہے اور صرف ہمدردانہ جذبات ابھارے جاتے ہیں۔ وہ علمی دلائل تسلیم نہیں کرتے بلکہ محض عقیدت کے سہارے مفروضے قائم کرتے ہیں۔ یہ رویہ موجودہ دور میں ہی نہیں اپنایا گیا' ہم اسے سرسید کے رفقا میں بھی موجود پاتے ہیں۔ ذیل میں چند مشہور شخصیات اور مصنفین کی تقریروں اور تحریروں سے وہ اقتباس پیش کئے جاتے ہیں جن میں واضح طور پر تضاد پایا جاتا ہے۔

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

ہمارے بعض قلم کار جب شخصیت پرستی کے زیر اثر مطالعے کے بغیر قلم اٹھاتے ہیں تو بعض اوقات تخیلاتی واقعات کو جنم دیتے ہیں اور ایسے قصے بیان کرتے ہیں جن کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تاریخ گھڑنے سے انکا مقصد پورا ہو جائے گا حالانکہ اس طرح خود انکی اپنی "قابلیت" کا بھانڈا بیچ چوراہے کے پھوٹتا ہے۔ نظریاتی کشمکش میں نام پیدا کرنے کے شوقین ایک نامور اہل قلم "پروفیسر رفیع الدین شہاب" کی ایک تحریر میں اسی قسم کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ آپ نے سرسید کی تفسیر القرآن کی اشاعتِ نو کا اہتمام کیا تو اس کے تعارف میں سرسید کی کتاب "اسباب بغاوت ہند" کے متعلق لکھا:

"اس کتاب کے لکھنے پر انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی' لیکن چونکہ یہ کتاب حقائق پر مبنی تھی اسلئے انگلستان کے بعض انسان دوست انگریزوں نے کوشش کر کے انکی یہ سزا معاف کرادی" (۱)

شاید موصوف کو یہ علم نہیں کہ نہ سرسید کو پھانسی کی سزا سنائی گئی اور نہ ان پر کسی قسم کا کوئی مقدمہ قائم ہوا' یہاں تک کہ اس سلسلے میں کبھی ان سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہوئی' سزا معاف کروادینے والے انگلستان کے انسان دوست انگریز اس قصے میں یونہی گھسیڑ دیئے گئے۔ خدا جانے انہوں نے کس اثر کے تحت یہ حکایت تخلیق کر ڈالی ؟ اس کتاب کی اشاعت پر "زیادہ سے زیادہ" جو رد عمل ہوا' وہ سرسید کے معتقدِ اعلیٰ الطاف حسین حالی کے درج ذیل الفاظ میں حقیقت حال کی بخوبی وضاحت کرتا ہے:

"گورنمنٹ انڈیا میں جب یہ کتاب پہنچی اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر کونسل میں پیش ہوئی تو لارڈ کیننگ گورنر جنرل اور سر بارٹر فریرنے' جو کونسل میں ممبر تھے' اس کے مضمون کو محض خیر خواہی پر محمول کیا مگر مسٹر سسل بیڈن نے' جو اس وقت فارن

سیکرٹری تھے 'اس کے خلاف بہت بڑی سپیچ دی اور یہ رائے ظاہر کی کہ اس شخص نے نہایت باغیانہ مضمون لکھا ہے اسے حسب ضابطہ باز پرس ہونی چاہیے اور جواب لینا چاہیے اور اگر کوئی معقول جواب نہ دے سکے تو سخت سزا دینی چاہیے۔ لیکن چونکہ اور کوئی ممبر انکا ہم رائے نہ تھا۔ اس لئے انکی سپیچ سے کوئی مضر نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔"(۲)

جب وقت کا گورنر جنرل "اسباب بغاوتِ ہند" کے مضمون کو محض خیر خواہی پر محمول کر رہا تھا اور کونسل کا کوئی بھی رکن صرف ایک اہل کار کی "غضب ناک تقریر" کا ہم نوا نہ تھا تو انہیں کون نقصان پہنچا سکتا تھا؟ اسکے بر عکس ہمارے پیشہ ور اہل قلم سر سید کے متعلق متذکرہ بے ضرر مخالفانہ رائے کو بنیاد بنا کر اپنے مضامین میں یہ تاثر دیتے ہیں کہ اس کتاب کی اشاعت پر انگریز حکمران ان کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔

آگے چل کر پروفیسر صاحب نے علمائے دین کی علمی چوریاں پکڑنے کا دعویٰ کیا ہے اور ایک چوری کا انکشاف ان الفاظ میں کیا ہے :

"مسئلہ جبر و قدر.... پر مودودی صاحب کا کتابچہ "مسئلہ جبر و قدر" شائع ہوا تو اسکی بڑی تعریف کی گئی حالانکہ مودودی صاحب نے اسے لفظ بہ لفظ سر سید احمد خان صاحب کی تفسیر سے نقل کیا تھا۔ بس اس میں یہ اضافہ کیا تھا کہ کتابچے کے شروع میں اسکی تائید و مخالفت میں پیش کی جانے والی آیات کو نقل کر دیا لیکن جب اصل مسئلہ پیش کیا گیا تو وہ لفظ بہ لفظ وہی تھا جو سر سید احمد خان صاحب نے پیش کیا تھا۔"(۳)

اس الزام کی حقیقت جاننے کے لئے حساس قارئین نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کے متذکرہ کتابچے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر انہیں سخت مایوسی ہوئی۔ دیگر قارئین بھی پروفیسر صاحب کا بر آمد کردہ چوری کا مال "لفظ بہ لفظ" دیکھنے کے شدت سے متمنی ہیں۔ فاضل مدعی کو چاہیے تھا کہ بغیر ثبوت بات کرنے کی بجائے بطور نشان دہی اپنے دعویٰ کا کوئی ہلکا سا حوالہ پیش کر دیتے کیونکہ شہادت کے بغیر کوئی الزام ذرا بھی وقعت نہیں رکھتا بلکہ "تہمت کے زمرے میں آتا ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف نے اسی "تعارف" میں ایک اور انکشاف کیا ہے کہ سر سید نے :

"اسوقت کے مشہور عالم دین شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ سے فتویٰ دلوایا کہ انگریزی کی تعلیم حاصل کرنا گناہ نہیں۔"(۴)

جناب سلیم منصور خالد نے ایک مجلہ میں انکی اس تحقیق پر یہ رائے دی :

"پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی اس نادر روزگار تحقیق پر داد نہ دینا ظلم ہے۔ سید احمد خان 1817ء میں پیدا ہوئے اور جب وہ سات برس کے تھے تو شاہ عبدالعزیز دہلوی ابن شاہ ولی اللہ فوت ہوئے۔ انکار حدیث کے قلم بکف لکھاری کی چشم تخیل نے سات برس کے سید احمد کے ہاتھوں شاہ عبدالعزیز کو فتویٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ تحقیق، تخیل اور خواہشات کی اسارت کا یہ نمونہ خاصے کی چیز ہے۔"(۵)

درج بالا تبصرے کی اشاعت کے بعد متذکرہ تفسیر کی اگلی اشاعت میں فتوے سے متعلق عبارت کو ان الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا۔

"انہوں نے شاہ عبدالعزیز محدث کے ایک فتوے کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی کہ انگریزی کی تعلیم حاصل کرنا گناہ

نہیں۔"(۶)

مزے کی بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب موصوف کے "تعارف" کی تحریر جو یک اگست 1994ء کی لکھی ہوئی ہے اگلی اشاعت میں بھی وہی رہی مگر اس میں جو تبدیلی کی گئی گو اسکے بعد کی ہے مگر وہ بھی اس تاریخ کی لکھی ہوئی ظاہر کی گئی ہے۔ دیانت داری کا تقاضا تھا کہ اسے تبدیل کرتے ہوئے حاشیے میں اس امر کی وضاحت کی جاتی اور اپنی غلطی تسلیم کی جاتی۔ اسکے برعکس دیکھا جائے تو موصوف کے ممدوح اس معاملے میں نہایت عالی ظرف واقع ہوئے تھے۔ انکی اس صفت کی ایک مثال حاضر ہے۔ سر سید اپنی ایک علمی غلطی کا اقرار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

'ابطال غلامی کا آرٹیکل جو تہذیب الاخلاق کے متعدد پرچوں میں چھپا ہے اور جس کا نام "تبریۃ الاسلام عن شین الامۃ والغلام" ہے اس آرٹیکل میں ایک بڑی غلطی ہم سے ہوگئی ہے یعنی اس کے باب ہفتم میں بہ ذیل بیان ازواج مطہرات کے ہم نے ایک حدیث صحیح مسلم سے 'نسبت حضرت جویریہ کے نقل کی ہے۔ افسوس ہے کہ جس کتاب سے ہم نے حدیث کو نقل کیا' اس میں غلطی تھی.... افسوس ہے کہ ہم نے اپنی جہالت سے اسی غلط عبارت کی پیروی کی۔ اسی کو نقل کیا اور اسی کو بطور ایک اختلاف کے لکھ دیا۔ پس ہم اس خطا کا اور اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہیں ..... ہم اپنے شفیق مولوی علی بخش خان صاحب سب آرڈینیٹ جج گورکھپور کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جن کے فرمانے سے ہم اس غلطی سے متنبہ ہوئے"۔(۷)

واضح ہو کہ مولوی علی بخش خان سر سید کے سب سے بڑے دو مخالفین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے حرمین شریفین جاکر سر سید کے خلاف کفر کے فتوے جاری کروائے۔ یہاں سر سید نے اپنی غلطی کا اقرار جن الفاظ میں کیا' اسے پڑھ کر رشک آتا ہے۔ کاش 'ان کے معتقد ایسی صورت حال میں ان کی ہلکی سی تقلید کا کوئی نمونہ پیش کر کے اپنی قابلِ احترام شخصیت کی روح کو سکون پہنچاتے!

ڈاکٹر فوق کریمی:

"اسباب بغاوت ہند" مطبوعہ 1985ء میں ڈاکٹر فوق کریمی کے مقدمہ کے آخر میں درج ذیل عبارت تحریر ہے

"1915ء میں جب گاندھی جی کانگرس میں شریک ہوئے تو انکے دل میں مسلمانوں کیلئے بڑی وسعت تھی۔ وہ حق بات کہنے کے باعث ہمیشہ فرقہ پرست کانگرسیوں کی نظر میں کھٹکتے رہے اور 1920ء میں جب مسلمانوں کی طرف سے خلافت تحریک شروع ہوئی اور اس تحریک نے حکومت کے خلاف بدیشی مال کا بائیکاٹ اور انگریزی حکومت کی نوکریوں سے مستعفی ہونے کا پروگرام بنایا تو مسلمانوں نے اس تحریک میں گاندھی جی کو اپنا رہنما بنا کر مہاتما گاندھی کا لقب دیا اور گاندھی جی اور مسلم رہنماؤں کی کوششوں سے مسلم لیگ اور کانگرس میں ایسا اتحاد پیدا ہو گیا کہ ہندو اور مسلمان آپس میں ایسے بھائی بھائی ہوئے کہ مسلمانوں نے مہاتما گاندھی اور شردھانند جیسے آریہ سماجی لیڈر کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر دہلی کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا کر کے ان کی تقریر بھی سنی۔ لیکن بد قسمتی سے خلافت کمیٹی نے گاندھی جی کی سربراہی میں جو ہندو مسلم اتحاد پیدا کیا تھا' وہ فرقہ پرست کانگرسیوں کی وجہ سے زیادہ

عرصہ قائم نہ رہ سکا۔ 1947ء میں ملک آزاد ہو گیا اور انگریز کا پرچم لال قلعہ سے اتار کر کانگرس کا سہ رنگی قومی پرچم لہرا دیا گیا جو اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ ہندوستان کی عظمت و بلندی کی نشاندہی کر رہا ہے۔ سر سید نے "اسباب بغاوت ہند" 126 سال قبل لکھ کر ہندوستانیوں کو جو آزاد پارلیمنٹ کا خواب دکھایا تھا آج اس کی جیتی جاگتی تصویر آزاد ہندوستان کا پارلیمنٹ ہے۔ آج اس میں سر سید کے بقول خود ہندوستانی بناتے ہیں اور خود اس پر عمل کرتے ہیں ... "(۸)

اسی کتاب کا فوٹو سٹیٹ ایڈیشن 1991ء کے حوالے سے پاکستان میں طبع ہوا تو اس میں درج بالا تحریر کو اس طرح بدل دیا گیا:

" لیکن تقسیم سے پہلے کانگرس کے ارباب اقتدار نے آزادی کے بعد سر سید کے جداگانہ انتخاب کے نعرہ کو باقاعدہ اپنا کر نہ صرف اسے دستوری حیثیت دی بلکہ دستور ساز اسمبلیوں میں ریزرویشن کے ذریعہ نمائندے بھی لے گئے اور انہیں سرکاری ملازمین میں ریزرویشن بھی دیا گیا۔ آج ہندوستان کے اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے کے افراد حکومت سے اپنے اپنے لئے جداگانہ ریزرویشن اور جداگانہ ملازمتوں کی مانگ کر رہے ہیں۔ سر سید نے "اسباب بغاوت ہند" 132 سال قبل لکھ کر حکومت وقت سے یہ شکایت کی تھی کہ ہندوستانیوں کو لجسلیٹو کونسل میں نمائندگی نہیں دی جاتی اور نہ انہیں سرکاری ملازمتوں میں اعلیٰ عہدے دئے جاتے ہیں۔ حکومت نے سر سید کی دونوں باتوں کو تسلیم کیا اور سر سید نے یہ بھی پیش گوئی کی تھی کہ وقت آئے گا جب تم اس ملک کا خود قانون بناؤ گے اور خود اس پر عمل کرو گے۔ آج ہند و پاکستان میں قانون ساز مجالس سر سید کی پیش گوئی کی منہ بولتی تصویریں ہیں .... (۹)

چھپن صفحات کے مقدمہ میں محض چند سطروں کی عبارت میں تبدیلی کا پس منظر کیا ہے؟ کیا عبارت اول فاضل مصنف کے قومی مسلک کے مطابق نہیں تھی یا پھر انہوں نے "گنگا گئے تو گنگا رام اور جمنا گئے تو جمنا داس" کی ضرب المثل کی پیروی کی؟ بہر حال یہ واقعی بڑی کاریگری کی بات ہے۔ کہ ایک مصنف اپنی پسندیدہ لیکن متنازعہ شخصیت کو تسلیم کروانے کے لئے دو قوموں کے متضاد قومی اور جذباتی ذہنوں کے مطابق جدا جدا اوزاروں سے کام لے! اسی طرح سر سید کے نظریہ قومیت کے بارے میں ڈاکٹر فوق کریمی کی تحریروں میں بہت بڑا تضاد ملتا ہے۔ انہوں نے 1958ء میں "اسباب بغاوت ہند" کی اشاعت اول کا انتساب ان الفاظ میں تحریر کیا:

"سر سید کی روح کے نام جس نے ہندوستانیوں کو متحدہ قومیت کا درس دیا۔ "(۱۰)

لیکن 1985ء میں اپنے مقدمے میں ایک جگہ اسکے برعکس یوں لکھا:

"سر سید جو ہندو اور مسلمانوں کو اپنی ایک آنکھ اور ہندوستان کو ایک دلہن سے تشبیہ دیتے تھے دوسرے انہوں نے ہندو اور مسلمانوں کو ایک قوم بار بار بتایا لیکن جب بنارس میں کچھ ہندوؤں نے اردو کے خلاف آواز بلند کی تو ان کے دل کو اس آواز اور تحریک سے سخت چوٹ پہنچی جس نے سر سید کے متحدہ قومیت کے نعرے کو متزلزل کر دیا۔" (۱۱)

یہ لکھتے ہوئے موصوف بھول گئے کہ انہوں نے ایڈیشن اول کے مقدمہ میں متحدہ قومیت کے حق میں کئی صفحات پر مشتمل سر سید کے جن تقریروں کے اقتباسات پیش کئے تھے۔ وہ انہوں نے 1884ء میں پنجاب کے سفر کے موقع پر کی تھیں۔ بنارس کا واقعہ 1867ء کی بات ہے لہٰذا اس سے سترہ سال بعد کے متحدہ قومیت

کے حق میں نعرے، سترہ سال قبل کیسے متزلزل ہو گئے؟ تضاد سے پُر اس فلسفہ پر سر سید کے شیدائی ہی کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں!

ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ :

سر سید کی ایک نہایت عقیدت مند شخصیت خان بہادر ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ نے "سر سید کا مذہب' کے عنوان سے سر سید کی وفات کے موقع کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"...... میں یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ جب انکا وصال ہوا تو جنازے کی نماز میں کالج کے طلبہ اور علی گڑھ شہر کے بہت سے لوگ آکر شریک ہوئے۔ ایک شخص جلدی سے ہمارے ایک عالم مولوی الطاف علی کے پاس آئے (مولوی الطاف علی صاحب ہمارے سکول میں معلم تھے) اور ان سے دریافت کیا کہ "سر سید پر کفر کا فتویٰ لگا ہوا ہے ان کے جنازے کی نماز حرام۔ آپ نماز میں شریک ہونگے یا نہیں اور مجھے کیا رائے دیتے ہیں؟" مولوی الطاف علی صاحب نے فرمایا کہ "سر سید نہایت پکے مسلمان تھے اور شاہ غلام علی دہلوی کے مرید تھے۔ انکے جنازے کی نماز پڑھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔" جس شخص نے سوال کیا تھا اس نے کہا کہ "اگر سر سید شاہ غلام علی دہلوی کے مرید تھے تو میں ضرور نماز میں شریک ہونگا" اور وہ فوراً صف میں کھڑا ہو گیا اور نماز جنازہ ادا کی۔" (۱۲)

ان الفاظ پر ڈاکٹر شیخ عبداللہ کی تحریر ختم ہو جاتی ہے اس واقعہ کے بیان سے انہوں نے ایک تیسرے شخص کی زبانی قارئین کے ذہن میں یہ بات جمانا چاہی ہے کہ سر سید شاہ غلام علی کے مرید تھے۔ اس سے غالباً انکا مقصد ہے کہ اس طرح سر سید سے عوامی عقیدت کی راہ ہموار ہو گی۔ حیرت ہوتی ہے کہ سر سید سے براہ راست مراسم رکھنے والا شخص، جو متذکرہ مضمون کے شروع میں مطبوعہ اپنے خط میں انکی ایک اہم رائے کا امین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے انکے معاملے میں صحیح صورت حال سے اس قدر بے خبر بھی ہو سکتا ہے۔ سر سید نے خود اپنی تاریخ پیدائش 5 ذی الحجہ 1232ھ بتائی ہے (۱۳) جبکہ شاہ غلام علی کی تاریخ وفات 22 صفر 1240ھ بیان کی ہے (۱۴) یعنی اس وقت سر سید کی عمر صرف سات برس تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں انہیں ایک نامور شیخ کا مرید ظاہر کرنے کا اعزاز عطا کرنا سر سید کے عقیدت مندوں کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے! مرید ہونا تو ایک طرف رہا، سر سید خود شاہ غلام علی سے اس عقیدت سے بھی انکار کرتے ہیں۔ جو ایک مرید کو مرشد کے ساتھ ہوتی ہے۔ حالی لکھتے ہیں :

"سر سید نے ایک دفعہ شاہ صاحب کا ذکر کرتے ہوئے میرے سامنے یہ کہا تھا کہ "مجھ کو اس قسم کی عقیدت جیسی مریدوں کو اپنے شیخ کے ساتھ ہوتی ہے، مجھ کو نہیں ہے لیکن نہایت قوی تعلق اور رابطہ 'اخلاص' میرے دل میں شاہ صاحب کے ساتھ' اور میں چاہتا ہوں کہ میری لائف میں اس بات کی تصریح کی جائے۔" (۱۵)

اور حالی نے ان کی یہ آرزو ان کی سوانح میں پوری کر دی مگر ان سے قریبی تعلق رکھنے والے بعض شیدائی اس سے آگاہ نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ کوثر :

سر سید پرست قلم کار سر سید کے بعض فقرات کے نت نئے مفہوم وضع کرنے میں خاصا ملکہ رکھتے ہیں۔ ان کا ایک طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں تحقیقی تاثر پیدا کرنے کے لئے بعض بے ضرر حوالے صحیح طور پر بھی نقل کرتے ہیں۔ مگر جہاں انکے ممدوح کی سوچ صریحاً منفی ثابت ہوتی ہو وہاں سیاق و سباق کی کانٹ چھانٹ کرنے کے علاوہ الفاظ کو تبدیل کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ ایسے مواقع پر وہ حوالوں کی صحیح نشان دہی نہیں کرتے بلکہ صرف کتاب کا نام لکھ کر اپنی دانشوری کا بھرم قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو زیادہ ''دیدہ دلیر'' ہوتے ہیں وہ تصوراتی پروازوں کے ذریعے سر سید کے منہ سے وہ کچھ اگلواتے ہیں جو انہوں نے کبھی نہیں کہا ہوتا بلکہ ان کی فکر سے بالکل متضاد ہوتا ہے۔ اس کاروائی سے ان کا مقصود محض اپنے ہیرو کی پرستش کروانا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ کوثر نے اپنے ایک مقالے میں اس ''فن'' سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔ وہ ''اسباب بغاوت ہند'' کے حوالے سے سر سید کی ''مبینہ'' جرأت مندی کے خود ساختہ انکشافات منظر عام پر لائی ہیں۔ بات اپنی ہے مگر یوں بیان کرتی ہیں جیسے کہ یہ سب کچھ سر سید نے کہا ہو۔ قاری کو یہ تاثر دیتی ہیں کہ ان کی بیان کردہ توضیح دراصل سر سید کی سوچ اور انہی کے الفاظ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے :

''سر سید احمد خان نے سرکشی کا مفہوم واضح کیا کہ سرکشی کسے کہتے ہیں ؟ اپنی حکومت کی اطاعت نہ کرنا' اس سے مقابلہ کرنا اور گورنمنٹ کے اصول و قواعد کے خلاف عمل کرنا سرکشی ہے لیکن یہ حکومت ہندوستانیوں کی اپنی نہ تھی بلکہ دھوکے اور فریب سے ان کے ملک پر قبضہ کیا گیا تھا لہٰذا آزادی کے حصول کی جدوجہد کو سرکشی نہیں کہا جا سکتا۔ گورنمنٹ کو ہندوستان اور ہندوستانیوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ ملک اور ہندوستانی عوام کو ہر لحاظ سے کمزور تر کرنا ان کا مقصد نظر آتا تھا۔ رعایا میں علمی روشنی عام کرنے کی بجائے جہالت کی تاریکی کو اپنی حکومت کے حق میں بہتر سمجھتے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ تعلیم عام کرنے سے ہندوستانیوں میں سیاسی شعور پیدا نہ ہو جائے۔ جو انکی حکومت کی پائیداری کے لئے خطرہ کا باعث ہو۔ انگریز ہندوستانیوں کو ذلیل سمجھتے تھے ان کی توہین کا کوئی پہلو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ سپاہیوں سے یہ کہنا کہ تم کانوں میں بالیاں نہ پہنو' ڈاڑھی منڈاؤ' پگڑی کی بجائے وردی کی ٹوپی پہنو' پھر چربی والے کارتوسوں کا واقعہ جن کے متعلق ان کو یقین ہو چکا تھا کہ اس میں ہندو مسلم دونوں کے مذہبی نکتہ نظر کے خلاف گائے اور سور کی چربی استعمال کی گئی ہے' ان کارتوسوں کے استعمال پر بزور طاقت اصرار کیا گیا لہٰذا کسی غاصب حاکم کے خلاف احتجاج کرنا سرکشی میں داخل نہیں جو زبردستی ان پر مسلط ہو گیا ہو۔''

''انہوں نے بتایا کہ ملازمتوں کے سلسلے میں مسلمانوں کو سراسر نظر انداز کیا گیا جس سے ان میں بے چینی و بے اطمینانی کا پھیلنا یقینی تھا۔ انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کا بہادر شاہ ظفر کا ساتھ دینا ان کے اس شبہ کو تقویت دیتا تھا کہ مسلمان بہادر شاہ ظفر کو بادشاہ بنا کر انگریزوں کو اس ملک سے نکال کر اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ سید احمد خان نے واضح کیا کہ اگر بادشاہ کے دل میں بادشاہت کی خواہش دوبارہ پیدا بھی ہوئی اور اسی نظریہ کے تحت انہوں نے حریت پسندوں کا ساتھ دیا ہو تو بھی اسے بغاوت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ملک انکا تھا' حکومت ان کی تھی انگریزوں نے طاقت کے بل بوتے پر قبضہ جمار کھا تھا اور ہندوستانیوں کیساتھ کبھی ہمدردی و انصاف کا برتاؤ نہ کیا تھا۔ کبھی انکی بہتری و ترقی کو مد نظر نہ رکھا تھا بلکہ ہندوستانیوں کو ذلیل سمجھا' ان کے اوپر قوانین بھی

ایسے مسلط کر دئے گئے تھے جو انکے مزاج، رسم ورواج اور ان کے مذہب و آئین کے خلاف تھے۔"(۱٦)

درج بالا باتیں یا انکا ہلکا سا مفہوم بھی سر سید کی "اسباب بغاوت ہند" میں کہیں موجود نہیں۔ یہ سراسر ڈاکٹر صاحبہ کی ذہنی اختراع ہے جو ممکن ہے کہ انکے مقالے کے مشہور و معروف معاونین (جن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری سر فہرست ہیں) کے مشورے سے وجود میں آئی ہو۔ اسکے بر عکس جب ہم اس تحریر کا سر سید کی فکر سے موازنہ کرتے ہیں تو سر سید کے درج ذیل بیانات محترمہ کی طرف سے ان پر ڈالی گئی "گرد" کو صاف کرنے کیلئے کافی ہیں:

"گو ہندوستان کی حکومت کرنے میں انگریزوں کو متعدد لڑائیاں لڑنی پڑی ہوں مگر در حقیقت نہ انہوں نے یہاں کی حکومت بہ زور حاصل کی اور نہ مکر و فریب سے بلکہ در حقیقت ہندوستان کو کسی حاکم کی اسکے اصلی معنوں میں ضرورت تھی، سو اسی ضرورت نے ہندوستان کو انکا محکوم بنادیا۔"(۱۷)

"وہ زمانہ جس میں انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی ایک ایسا زمانہ تھا کہ بے چاری انڈیا بیوہ ہو چکی تھی۔ اسکو ایک شوہر کی ضرورت تھی، اس نے خود انگلش نیشن کو اپنا شوہر بنانا پسند کیا تھا...... انگلش نیشن ہمارے مفتوحہ ملک میں آئی مگر مثل ایک دوست کے، نہ بطور ایک دشمن کے۔"(۱۸)

"حق یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہایت شائستگی اور نرمی اور محافظت مذاہب مختلفہ حکومت کی۔ اس کی حکومت میں بجز اس کے اور کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ بادشاہانہ حکومت نہ تھی اور جس کی بڑی ضرورت تھی کہ ہندوستان میں ہو۔"(۱۹)

"اس ہنگامہ (۱۸۵۷ء) میں کوئی بات مسلمانوں کے مذہب کے موافق نہیں ہوئی"(۲۰)

دو قومی نظریے کی ابتداء سے متعلق ڈاکٹر صاحبہ مکتبہء فکر علی گڑھ کے مروجہ "معکوس" فلسفے کی ترجمانی کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں کہ سر سید "ایک مدت تک ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قوم کہتے رہے۔" اسکی تائید میں وہ پہلے سر سید کے "آخری مضامین" سے ان کے انتقال سے چند ماہ پیشتر جون ۱۸۹۷ء میں شائع ہونے والے مضمون سے ایک حوالہ پیش کرتی ہیں۔ پھر تیرہ سال پیچھے ہٹتے ہوئے انکی ۱۸۸۴ء کی ایک تقریر کا اقتباس نقل کرتی ہیں۔ اسکے فوراً بعد مزید سترہ سال پیچھے جاکر بیان کرتی ہیں کہ:

"لیکن ۱۸٦۷ء میں ہندوؤں نے اردو فارسی رسم الخط کی جگہ ہندی دیوناگری رسم الخط کو جاری کرنے کا مطالبہ کرکے ہندوستانی قوم میں پھوٹ ڈال دی جس سے "پہلی دفعہ" ان کو یہ اندازہ ہوا کہ ہندو مسلم کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا ناممکن ہے۔ اس لسانی تنازعہ نے نہ صرف فرقہ وارانہ منافرت و تفریق کو ہوا دی بلکہ ہندوستان کی سیاسی سطح پر تفریق کا پہلا پتھر نصب کر دیا۔ یہیں سے دو قومی نظریہ کا آغاز ہوتا ہے"۔ (۲۱)

متذکرہ معکوس فلسفے کا گمراہ کن انداز "ایجاد" کرنے کی سعادت حاصل کرنے کا سہرا در اصل علی گڑھ کے فکری ترجمان مولوی عبدالحق کے سر رکھا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ انکے "بے مغز دانش ور" پیرو کار اس فلسفہ کے غیر حقیقی پہلو کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے یا پھر وہ اپنے بزرگ کی تقلید میں جان بوجھ کر تم

کو گمراہ کرنے کا ''فریضہ'' انجام دے رہے ہیں۔ انکے تتبع میں بہت سے غیر فکری، شوقیہ اور نصابی و غیر نصابی پیشہ ور قلم کار بھی شخصیت پرستی کے زیر اثر دانستگی یا نادانستگی میں اس غیر حقیقی توجیہ کو بنیاد بنا کر سر سید کو دو قومی نظریے کا خالق قرار دئے جا رہے ہیں جس سے یہ فلسفہ حیرت انگیز طور پر پوری قوم میں زہر کی طرح سرایت کر رہا ہے۔

موصوفہ کی تحریروں میں متعدد جگہ تضاد کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔ صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔ وہ سر سید کی ملی خدمات اجاگر کرنے کی غرض سے تحریر کرتی ہیں :

''۱۸۸۸ء میں .....انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی تحفظ کی خاطر علیگڑھ میں یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم کی۔''(۲۲)

پھر ایک اور جگہ انکے قلم سے نادانستگی میں سچی بات بھی نکل جاتی ہے۔

''سر سید نے ایک جماعت یونائیٹیڈ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن ۱۸۸۸ء میں (انجمن محبان وطن کے نام سے) بنائی جس میں ہندو مسلم دونوں شریک تھے۔ (۲۳)

جب حقائق کا علم بھی ہو تو کیا حوالہ اول کا بیان بد دیانتی پر مبنی نہیں؟ کیا یقین کیا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے سیاسی تحفظ کی خاطر اس ایسوسی ایشن میں شرکت کی؟

رئیس احمد جعفری :

تضاد کی ایک واضح مثال رئیس احمد جعفری کی تحریروں میں بھی موجود ہے۔ ''حیاتِ محمد علی جناح'' میں ''غدر کے بعد پہلی آواز'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :۔

''۱۸۵۷ء کے عالم آشوب غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت حد درجہ یاس انگیز اور مایوس کن ہو گئی تھی، سہام انتقام کا ہدف انہی کا سینہ بنایا جا رہا تھا، ہندو اور انگریز دونوں ان سے جلے ہوئے تھے اور اپنے پچھلے فرضی اور واقعی قرضے چکا رہے تھے۔ یہ حالت بیسویں صدی کے آغاز تک رہی۔ اس زمانہ میں نواب محسن الملک کی قیادت میں مسلمانوں کا ایک وفد شملہ پہنچا اور وائسرائے ہند کے سامنے اس نے ایک مفصل عرضداشت پیش کی...... وفد نے سب سے زیادہ زور جس چیز پر دیا تھا، وہ یہ تھا کہ قومی حیثیت سے مسلمانوں کی ایک جداگانہ جماعت ہے جو ہندوؤں سے بالکل الگ ہے۔ یہ ''غدر کے بعد مسلمانوں کی پہلی آواز'' تھی جو ایک قوم کی حیثیت سے بلند ہوئی تھی اور اس میں صاف صاف قومی انفرادیت پر زور دیا گیا تھا''۔ (۲۴)

یہ اقتباس مصنف کی کتاب کے باب بعنوان ''دو قوموں کا نظریہ'' سے نقل کیا گیا ہے۔ کتاب ۱۹۴۶ء میں تصنیف ہوئی۔ پورے باب میں سر سید کا کہیں ذکر نہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جب علیگ طبقے نے تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے شعبوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے دو قومی نظریے کو سر سید سے منسوب کرنے کی فکر کی ترویج کی تو مصنف موصوف بھی اس پروپیگنڈے کے زیر اثر آ گئے اور اپنی پچھلی تحریر کو فراموش کرتے ہوئے اپنی مرتب کردہ کتاب ''خطبات قائد اعظم'' میں یوں پلٹا کھایا :

''دو قومی نظریہ کے اصل خالق سر سید احمد خان تھے۔ انہوں نے بار بار اپنی تقریروں اور بیانات میں اعلان کیا کہ مسلمان

ایک جداگانہ قوم ہیں اور وہ اپنی انفرادیت کا تحفظ چاہتے ہیں۔ در حقیقت پاکستان کی خشتِ اول یہی تھی۔"(۲۵)

دونوں تحریروں کا موازنہ کیجئے کہ موصوف کس طرح خود بیان کردہ "غدر کے بعد بیسویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کی پہلی آواز" کا گلا گھونٹ کر انیسویں صدی میں جا پہنچے اور سر سید کے بیانات کو جداگانہ قومیت یا قومی انفرادیت کی بنیاد قرار دے دیا۔ دراصل پروپیگنڈہ بڑی طاقتور شے ہے جو بڑے بڑوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

غلام احمد پرویز:

ایک فریق سے بے محابا اندھی عقیدت اور دوسرے سے نفرت اور دشمنی کی انتہا کا جذبہ بعض افراد ان کے ہوش و حواس کھو دیتا ہے۔ اس کیفیت میں سچ قبول کرنا ان کے بس میں نہیں رہتا۔ حقائق ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں یا پھر وہ انہیں ارادتاً جاننے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی معلومات کا حدود اربعہ مضحکہ خیز حد تک کم ہو جاتا ہے۔ جب بات کرتے ہیں تو دوسروں کے الفاظ کو اپنے جذبات کی شدت کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔ اس کا عکس سر سید کے بیشتر دینی عقائد کے علمبردار غلام احمد پرویز کی تحریروں میں بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"جوں جوں سر سید اپنے مشن میں کامیاب ہوتا جاتا تھا' مولوی صاحبان کی مخالفت شدید سے شدید تر ہوتی جاتی تھی۔ جب انکے کفر کے فتوے اور جھوٹا پروپیگنڈہ کامیاب نہ ہوا تو انہوں نے اس کیخلاف ایک منظم عملی قدم اٹھایا اور علیگڑھ کے بالمقابل ایک دارالعلوم (دیوبند) قائم کر دیا۔"(۲۶)

محض "مولوی صاحبان" سے اپنی نظریاتی چپقلش کے زیر اثر موصوف نے کم علمی کا ثبوت دیا اور انہیں یاد نہ رہا کہ دارالعلوم دیوبند علی گڑھ کالج کے قیام سے قبل ہی موجود تھا۔ ان کے اپنے ممدوح سر سید کے بقول علی گڑھ میں "۲۴ مئی ۱۸۷۵ء روز سالگرہ ملکہ معظمہ...... مدرسہ کھولا گیا۔"(۲۷) جبکہ دیوبند کا مدرسہ ۱۸۶۶ء میں قائم ہوا تھا۔ (۲۸) جولائی ۱۸۶۷ء کے اخبار سائنٹیفک سوسائٹی میں سر سید نے خود اس کی پہلی سالانہ رپورٹ پر تبصرہ تحریر کیا۔ (۲۹) پھر جولائی ۱۸۷۳ء میں اس کی ایک اور سالانہ رپورٹ پر ان کا ایک طویل تبصرہ تہذیب الاخلاق میں شائع ہوا جس میں انہوں نے علما کو جی بھر کر لتاڑا اور اسلامی مدرسوں میں دی جانے والی تعلیم پر کڑے الفاظ میں نکتہ چینی کی۔ (۳۰)

ردعمل کے طور پر سر سید کے خلاف جو استفتا شائع ہوا' اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پرویز صاحب کے ارشاد کے برعکس علیگڑھ کالج مدرسہ دیوبند وغیرہ کے "بالمقابل" قائم کیا گیا ہے۔ اسکی متعلقہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:-

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ ان دنوں ایک شخص ان مدرسوں کو جن میں علوم دینی اور ان علوم کی، جو دین کی تائید میں ہیں تعلیم ہوتے ہیں جیسے مدرسہ اسلامیہ دیوبند اور مدرسہ اسلامیہ علی گڑھ اور مدرسہ اسلامیہ کانپور' ان کو برا کہتا ہے

اور انکی ضد میں ایک مدرسہ اپنے طور پر تجویز کرنا چاہتا ہے ... مسلمانوں کو ایسے مدرسے میں چندہ دینا درست ہے یا نہیں ؟" (۳۱)

موصوف غلط حوالے کے ساتھ کسی اور موقع پر کہے گئے سر سید کے الفاظ کو اپنے مقصد کے مطابق ڈھالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

"سر سید نے ۱۸۶۵ء میں کہا تھا کہ ہندوستان میں ایک قوم نہیں بستی 'مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں بستی ہیں"(۳۲)

حالانکہ اس انداز میں انہوں نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔ اس کے علاوہ ایک تحریر میں وقوعہ ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک سنی سنائی بات دہراتے ہیں کہ "مسلمانوں کے علمائے کرام نے فتویٰ دے رکھا تھا کہ انگریزی کا پڑھنا حرام ہے۔"(۳۳) حوالے کے بغیر اس الزام میں بھی "مولوی صاحبان" سے محض دشمنی کا رنگ جھلکتا ہے۔ موصوف کے پیروکاروں کو چاہیے کہ وہ اپنے دینی رہنما کے ان بیانات کی تائید میں مستند حوالے پیش کر کے مرحوم کی روح کو سکون پہنچائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔

ڈاکٹر بیگم ممتاز معین الحق :

سر سید کے متعلق ایک مضمون میں ڈاکٹر بیگم ممتاز معین الحق تحریر کرتی ہیں کہ انہوں نے واضح الفاظ میں اس امر کا اعلان کیا کہ

"مسلمان ایک الگ قوم ہیں جو کسی صورت میں ہندو اکثریت میں ضم نہیں ہو سکتی۔ مذہبی اعتقادات اور عبادات کے طریقے 'سماجی رسوم' تہوار اور رہن سہن کا انداز' غرض زندگی کے ہر شعبہ میں دونوں قوموں میں بنیادی اختلاف پائے جاتے ہیں۔"(۳۴)

محترمہ موصوفہ نے اس بیان میں بانی پاکستان محمد علی جناح کی ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کی تقریر کے الفاظ و معانی کو سر سید سے زبردستی منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ سر سید کی عمر بھر کی تقریروں یا تحریروں میں اس سے برعکس مفہوم پایا جاتا ہے۔ سر سید کی وفات کے چند ماہ قبل ۱۲ جون ۱۸۹۷ء کے علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں شائع ہونے والے ان کے مضمون سے ان کی فکر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے جس میں وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بابت یہ تحریر کرتے ہیں :-

"بہت سے ایسے مسلمان ہیں جن میں آریاؤں کے خون کا میل ہے 'بہت سے ایسے ہیں جو خالص آریہ کہلائے جا سکتے ہیں۔ صدیاں گزر گئیں کہ ہم دونوں ایک ہی زمین پر رہتے ہیں 'ایک ہی زمین کی پیداوار کھاتے ہیں 'ایک ہی زمین کا یا دریا کا پانی پیتے ہیں۔ ایک ہی ملک کی ہوا کھا کر جیتے ہیں 'پس مسلمانوں اور ہندوؤں میں کچھ مغائرت نہیں ہے۔ جس طرح آریا قوم کے لوگ ہندو کہلائے جا سکتے ہیں۔ ہم نے متعدد دفعہ کہا ہے کہ ہندوستان ایک خوبصورت دلہن ہے اور ہندو اور مسلمان اس کی دو آنکھیں ہیں۔ اسکی خوبصورتی اس میں ہے کہ اسکی دونوں آنکھیں سلامت و برابر رہیں۔ اگر ان میں سے ایک برابر نہ رہی تو وہ خوبصورت دلہن بھینگی ہو جائیگی۔ اور اگر ایک آنکھ جاتی رہی تو کانی ہو جائے گی۔ ہم دونوں کی سوشل حالت قریب قریب ایک ہی سی ہے بلکہ بہت سی عادتیں اور رسمیں ہم مسلمانوں میں ہندوؤں کی آگئی ہیں۔ پس جس قدر ان دونوں قوموں میں زیادہ تر محبت' زیادہ تر اخلاص' زیادہ تر ایک دوسرے کی امداد بڑھتی جائے اور ایک دوسرے کو مثل ایک بھائی کے سمجھیں' کیونکہ ہم وطن بھائی ہونے میں تو کچھ شبہ نہیں' اسی

قدر ہم کو خوشی ہوتی ہے...... "ہم نے سنا ہے کہ بریلی میں ہندو مسلمانوں نے نہایت خوبی سے ایک دوسرے کی محبت کا ثبوت دیا ہے یعنی بقر عید کے روز مسلمانوں نے گائے کی قربانی نہیں کی ... ہماری بھی مدت سے یہی رائے ہے کہ اگر گائے کی قربانی ترک کرنے سے آپس میں ہندو اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت قائم ہو تو گائے کی قربانی نہ کرنا اسکے کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔" (۳۵)

ڈاکٹر سید معین الحق :

ہمارے بعض قلم کاروں کا یہ المیہ ہے کہ وہ جہاں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ذکر میں قومی جذبات کے مطابق غلط یا صحیح کی درست نشان دہی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں' وہاں جب سر سید کا معاملہ ہو تو موصوف کے عوام دشمن نظریات و اقدامات سے اختلاف کرتے ہوئے بھی ان کے حق میں جوازات تلاش کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے رہتے ہیں۔ وہ اس مقصد کیلئے غلط بیانی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں قومی جذبات کی ترجمانی کا لہجہ صرف اور صرف اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ قارئین کو اچھا تاثر دے کر انہیں نفسیاتی طور پر سر سید کے دفاع کے حق میں تیار کیا جائے۔ یہ طریقہ واردات سر سید کے شیدائی قلم کاروں کا محبوب مشغلہ ہے۔ اس کا عکس ڈاکٹر معین الحق کی مندرجہ ذیل تحریر میں بخوبی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

"انقلاب کے وقت سید احمد خان کی عمر چالیس سال تھی اور ان کی حیثیت ایک سرکاری ملازم سے زیادہ نہ تھی۔ اس وقت ان کے سامنے اصلاحی پروگرام کا بھی کوئی منصوبہ نہ تھا' اس لئے یہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ سید احمد خان کسی سیاسی مصلحت یا منصوبہ کے تحت نہیں بلکہ حقیقتاً یہ سمجھتے تھے کہ انقلاب دراصل انقلاب نہیں بلکہ "بغاوت" ہے۔ انقلابیوں کی شکست اور اس کے بعد مسلمانوں کی تباہی و بربادی نے ان کو اس عقیدہ میں اور بھی پختہ کر دیا۔ چنانچہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا' ان کا یہ عقیدہ پختہ تر ہوتا گیا۔ کہ ۱۸۵۷ء کا انقلاب "بغاوت" اور "غدر" سے زیادہ کچھ نہ تھا"۔

"اس میں شک نہیں کہ آج ہماری رائے میں سید احمد خان کا یہ عقیدہ اور اسکی بنا پر انہوں نے جو رویہ اختیار کیا' یقیناً غلط ہے لیکن بحیثیت ایک مورخ کے ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی غلط اجتہادی تھی' اس کے پیچھے کوئی ذاتی غرض یا مقصد نہ تھا۔ سید احمد خان کا جذبہ ایثار بے مثال تھا۔ جنگ آزادی کے اختتام پر حکومت نے انکی وفاداری کے سلسلہ میں انکو پنشن کے علاوہ ایک جاگیر بھی عطا کرنے کا ارادہ کیا لیکن انہوں نے پنشن تو قبول کر لی مگر جاگیر نہیں لی' اس وجہ سے کہ یہ جاگیر ایک باعزت مسلم خاندان کی ضبط شدہ جائیداد تھی۔ سید احمد خان کے اس ایثار کا مورخ تذکرہ تو کرتے ہیں' لیکن اس سے جو نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے اسکی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انکی وفاداری کا رویہ کسی غرض یا فائدہ کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ انکی یہ ایمان داری کی رائے تھی' اگرچہ غلط تھی۔ بہر حال سید احمد خان اس انقلاب کو بغاوت ہی سمجھتے تھے' اور ہمیشہ ان کا یہی خیال رہا۔ اس رائے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اسکے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ سید احمد خان کے خیال میں جن مسلمانوں نے اس انقلاب میں حصہ لیا انہوں نے سخت غلطی کی۔ وہ انکی قربانیوں کو قدر کی نہیں بلکہ افسوس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان پر نہایت سخت اور بعض اوقات ناروا الفاظ میں تنقید کرتے ہیں' مثلاً محمود خان کو جو بجنور کے انقلابی رہنما تھے وہ "نا محمود" کہتے ہیں' اسی طرح بہادر شاہ ظفر کا ذکر انہوں نے بہت برے الفاظ میں کیا ہے۔ (۳۶)

صاحب تحریر کا یہ بیان کہ " حکومت نے ان کی وفاداری کے سلسلہ میں ان کو پنشن کے علاوہ ایک جاگیر

بھی عطا کرنے کا ارادہ کیا لیکن انہوں نے پنشن تو قبول کر لی مگر جاگیر نہیں لی'' سر سید کو اس امر میں قوم کا خیر خواہ ظاہر کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ اول تو جاگیر ''عطا کرنے'' کے الفاظ بالواسطہ طور پر فرنگی اقدامات کی تکریم میں قلم کار کے ذہن کی عکاسی کرتے ہیں جب کہ پنشن کے ''علاوہ'' جاگیر پیش کرنے کے ارادے کا ذکر قطعی غلط ہے۔ سر سید کا قد کاٹھ بلند کرنے کی اس ''کہانی'' کو انہوں نے اگلے صفحات میں یوں بیان کیا ہے :

''جنگِ آزادی کے دوران سید احمد خان نے حکومت کی جو خدمات انجام دی تھیں انکے صلہ میں پنشن کے علاوہ شیکسپئر یہ چاہتے تھے کہ چاند پور کے علاقے میں ایک جاگیر کیلئے بھی سفارش کریں لیکن سید احمد خان نے منع کر دیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک مسلمان بھائی کی ضبط شدہ جائیداد میں سے انعامی جاگیر قبول کریں۔ مصلحتاً انہوں نے یہ بہانہ کر دیا کہ وہ ہندوستان میں قیام نہیں کرنا چاہتے۔ (۳۷)

حقیقت یہ ہے کہ سر سید نے مصلحتاً کوئی بہانہ نہیں کیا۔ سر سید کے خود اپنے بیان سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ جاگیر کی پیشکش کے جواب میں وہ اپنے ردعمل کا اظہار یوں کرتے ہیں :

''میں نے اسکے لینے سے انکار کیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں ہے اور در حقیقت یہ بالکل سچ بات تھی۔''(۳۸)

لطف کی بات یہ ہے کہ خود صاحب سر سید کو ایک دوسرے پہلو سے بلند قامت بنانے کے لئے اپنے ہی بیان کے برعکس اس طرح تحریر کرتے ہیں :

''مسلمانوں کی تباہی سید احمد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور اس کا اثر انکے دل پر اس قدر زیادہ ہوا کہ ایک موقع پر جلاوطنی اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن بعد میں اس ارادہ کو ترک کر کے قوم کو تباہی سے بچانے کی کوشش کرنے کی طرف توجہ کی''(۳۹)

یعنی محض سر سید کو ہر لحاظ سے عظیم بنانے کے لئے دو متضاد پہلوؤں میں تعریف و توصیف کی گنجائش نکال لی گئی۔ یہ فن شخصیت پرستی کی خالص پیداوار ہے۔

جہاں تک پنشن کا تعلق ہے تو در اصل سر سید کے ارادہ ترک وطن کو مدنظر رکھتے ہوئے جاگیر کی پیشکش قبول نہ کرنے کے عوض اس کی معقول مقدار متعین کی گئی۔ کلکٹر و مجسٹریٹ بجنور کی سرکاری رپورٹ سے اس کی توضیح یوں ہوتی ہے۔

''مناسب ہے کہ پنشن دو سو روپیہ ماہواری' خواہ دائمی ہو خواہ حین حیات' انکے اور انکے بیٹے کے سرکار سے عنایت ہو۔ اور یہ تجویز اس نظر سے ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ سید احمد خان کا ارادہ ہے کہ بعد چند سال کے سیر اقالیم کی کریں اس سبب سے زمینداری لینا منظور نہیں۔''(۴۰)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دو نسلوں تک دو سو روپے ماہواری پنشن کی مقدار' جو اپنے زمانے میں بلاشبہ ایک ''جاگیردارانہ پنشن'' تھی سر سید کو جاگیر وصول نہ کرنے کی عوض منظور کی گئی لہذا ''باعزت مسلم خاندان کی ضبط شدہ جائیداد'' پیشکش کو قوم کی غمخواری میں ٹھکرا دینے کے افسانے قارئین کو محض گمراہ کرنے کی سازشیں ہیں۔

متذکرہ بالا بحث میں ہم نے ملاحظہ کیا کہ اول سر سید کی مبینہ "خدمات" کو بے غرض ظاہر کرنے کیلئے ان سے "مصلحتاً ترک وطن کے بہانے" کی آڑ میں جاگیر ٹھکرائی گئی جبکہ صورت دوم میں ترک وطن کے ارادہ کا بہانہ یاد نہ رہا تو "قوم کو تباہی سے بچانے کی خاطر" ان سے جلاوطنی کے ارادے کو ترک کروانا پڑا۔ شاید دانشوری اسی کا نام ہے کہ اپنی دانش کے زور سے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ دکھایا جائے۔

....

اشارات

۱۔ تفسیر القرآن (۱۹۹۴ء) تعارف صفحہ اول
۲۔ حیات جاوید (۱) ص ۸۹
۳۔ تفسیر القرآن (۱۹۹۴ء) تعارف صفحہ دوم
۴ ایضاً صفحہ اول
۵۔ نقطہ نظر اسلام آباد (اپریل تا ستمبر) ص ۳۰۔۳۱
۶۔ القرآن (۱۹۹۸ء) تعارف صفحہ اول
۷۔ تہذیب الاخلاق علی گڑھ (جمادی الاول ۱۲۸۹ھ)
۸۔ اسباب بغاوت ہند (۱۹۸۵) ص ۶۸۔
۹۔ ایضاً (۱۹۹۱) ص ۶۸
۱۰۔ ایضاً (۱۹۵۸) ص ۳
۱۱۔ ایضاً (۱۹۸۵) ص ۶۸
۱۲۔ مقالات یوم شبلی ص ۶۹
۱۳۔ خطبات احمدیہ ص ۳۵۲
۱۴۔ تذکرہ اہل دہلی ص ۳۰
۱۵۔ حیات جاوید (۲) ص ۱۳
۱۶۔ اردو کی علمی ترقی میں سر سید...... ص ۶۳
۱۷۔ حیات جاوید (۲) ص ۳۴۰
۱۸۔ ایڈریس اور اسپیچیں ص ۲۷
۱۹۔ مکمل مجموعہ لکچرز ص ۲۴
۲۰۔ سرکشی ضلع بجنور ص ۱۴۱
۲۱۔ اردو کی علمی ترقی میں سر سید...... ص ۷۵
۲۲۔ ایضاً ص ۷۶۔ ۲۳۔ ایضاً ص ۱۳۱
۲۴۔ حیات محمد علی جناح ص ۵۳۸۔۵۳۹
۲۵۔ خطبات قائداعظم ص ۵۶۷
۲۶۔ تہذیب کراچی (نومبر ۱۹۹۸) ص ۲۰
۲۷۔ مکمل مجموعہ لکچرز ص ۴۰۵
۲۸۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۵۵
۲۹۔ تحریک علی گڑھ تا قیام پاکستان ص ۶۸۔
۳۰۔ مقالات سر سید (۷) ص ۲۷۸
۳۱۔ سر سید احمد خان (سیاسی مطالعہ) ص ۱۳۴
۳۲۔ قائداعظم کا تصور پاکستان ص ۱۹
۳۳۔ تہذیب کراچی (نومبر ۱۹۹۸ء) ص ۱۷
۳۴۔ سر سید علیہ الرحمہ ص ۷۵
۳۵۔ آخری مضامین ص ۵۵
۳۶۔ سرکشی ضلع بجنور (مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق) ص ۲۱ تا ۲۳
۳۷۔ ایضاً ص ۳۵
۳۸۔ مکمل مجموعہ لکچرز ص ۳۹۹
۳۹۔ سرکشی ضلع بجنور (مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق) ص ۱۰۵
۴۰۔ لائل محمڈنز آف انڈیا (۱) ص ۵۵

مولانا اظہار الحق حقانی

غلام احمد پرویز کا تصورِ الہ!

ایک تنقیدی جائزہ

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مختلف شعبوں کے لئے مختلف رجال کار پیدا کئے ہیں اور وہ اپنی سمجھ اور بصیرت کے مطابق اپنے اپنے میدان کار میں سرگرم عمل ہیں۔ دینیات کا شعبہ بھی انہی شعبوں میں سے ایک ہے اور دنیا کی آبادی کا ایک قابل ذکر حصہ کسی نہ کسی شکل میں دین سے وابستگی پر بجا طور پر نازاں ہے۔ یہی لوگ تبلیغ‘ تحقیق‘ تدریس اور تقریر و تحریر کے علاوہ بہت سارے دیگر میدانوں میں خدمات سر انجام دیتے ہیں۔

اسلام نے اپنے آپ کو دین (System of Life) کے طور پر پیش کیا ہے، ہمارے دین نے ایمانیات کے ساتھ ساتھ عبادات‘ اخلاقیات اور معاملات کی اصلاح کی تاکید کی ہے اور اس سلسلے میں راہنما اصول اسلام کے دو بنیادی ماخذ (Sources) قرآن و سنت میں محفوظ ہیں پھر صحابہ کرامؓ تابعین اور علماء مجتہدین نے ان اصولوں کی روشنی میں اجماع‘ قیاس اور اجتہاد کے ذریعے قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے نو پیدا شدہ مسائل حل کرنے کی کوشش کی اور دیگر اصول بھی وضع کئے‘ تعبیر و تشریح اور مذکورہ مصادر (sources) میں موجود بنیادی اصول کے تناظر میں اہل علم نے مختلف انداز میں ایسا قابل قدر کام کیا ہے جس پر آج تک قانون سازی کی تاریخ فخر کرتی ہے۔

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ زمانہ خاتم النبیینؐ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ قرآن و سنت اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ ہیں۔ قرآن نے ہمیں جس طرح حجیت سنت کی نشاندہی کی ہے بالکل اسی طرح اجماع و قیاس بھی ان دو ماخذ سے تصدیق شدہ ہیں۔ اگر کوئی بات ان ماخذ سے تصدیق شدہ ہو۔ تو اس کو ہم ایمانیات کے زمرے میں شامل کر لیتے ہیں مثلاً توحید‘ رسالت‘ قیامت وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن کے بارے میں تمام افراد امت کا ایک اجماعی عقیدہ رہا ہے۔ فروعی مسائل میں اختلاف کی گنجائش تو ہر وقت رہتی ہے تاہم ایمانیات کی حیثیت اس سے بالکل مختلف ہے۔ الہٰ (خدا) کا ایک خاص تصور مسلمانوں کا ہے۔ اور اس پر ہزار ہا برس سے مسلمان کاربند ہوتے آئے ہیں۔ اس تصور کی بنیاد میں قرآن و سنت کے بالکل واضح ارشادات موجود ہیں مگر مختلف زمانوں میں ایسے لوگوں کے نام بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں

جنہوں نے عالم اسلام کے اندر رہتے ہوئے بحیثیت مسلمان (نام نہاد) اور دانشور ایسی تعبیرات و تشریحات کی جسارت کی ہے جس سے درحقیقت مسلمانوں کے ان اجماعی عقائد کی دیوار میں دراڑیں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ تاثر دیا جانے لگا کہ آج تک قرآن کی جتنی بھی تعبیرات ہوئی ہیں وہ درست اور قابل عمل نہیں ہیں۔ اس قسم کے دانشوروں میں سے ایک نام چوہدری غلام احمد پرویز کا بھی ہے۔

غلام احمد پرویز کی ولادت ۹ جولائی ۱۹۰۳ء کو ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ (موجودہ ہندوستان) میں ہوئی اور مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۸۵ کو لاہور میں وفات پائی۔ ۱۹۲۱ء میں اے لیڈی آف انگلینڈ ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک پاس کیا اور بی۔ اے پاس کرنے کے بعد سول سروس میں چلے گئے۔ ۱۹۵۴ء میں جبکہ پرویز وزارت داخلہ میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے طور پر کام کر رہے تھے۔ قبل از وقت ریٹائر منٹ لے لی۔ اور اپنے ایک خاص انداز میں قرآن کی من مانی تعبیر و تفسیر کا کام کرنے لگے اس سلسلے میں مفہوم القرآن 'لغات القرآن' جہانِ فردا' شاہکار رسالت' اسلام کیا ہے؟' مقام حدیث' برقِ طور' شعلہ مستور' انسان نے کیا سوچا؟ قرآن کا نظام ربوبیت معراج انسانیت' ابلیس و آدم' کتاب التقدیر' سلیم کے نام خطوط اور قرآنی فیصلے ان کی شاہکار تصانیف سمجھی جاتی ہیں

اس سے قبل کہ غلام احمد پرویز کے تصور الہٰ (خدا) پر باقاعدہ کچھ عرض کیا جائے۔ ایک بات واضح کرتا چلوں کہ جب سے ان کے افکا وخیالات اور تحریرات رسالہ طلوع اسلام اور کتب کی شکل میں سامنے آنا شروع ہوئے تو علمائے کرام اور مشائخ عظام نے ان کا ''تعاقب'' شروع کیا ہے۔ اور پہلے دن ہی سے انکے افکار و نظریات اور تعبیرات پر تنقید کی ہے۔ مگر پرویز صاحب نے ان لوگوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا۔ بالآخر ۱۹۶۲ء میں تقریباً ہر مکتبہ فکر کے ایک ہزار علماء کرام نے انکے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کر دیا۔ ابھی حال ہی میں وزارت الاوقاف کویت نے سرکاری سطح پر غلام احمد پرویز کو مرتد قرار دیا۔ امام الحرمین شریفین محمد عبداللہ السبیل اور مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ نے بھی فروری ۲۰۰۰ء میں اس قسم کے فتوے جاری کئے اس سے قبل مرحوم مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ عبدالعزیز بن باز نے بھی غلام احمد پرویز کو منکر سنت کی حیثیت سے خارج از اسلام قرار دیا تھا۔ متحدہ عرب امارات دبئی کے اسلامک مشن نے بھی انکے مرتد ہونے کا فتویٰ صادر کیا ہے۔

قارئین یقیناً سوچتے ہونگے کہ ہزار ہا علماء کے فتاویٰ و تحقیق کے بعد مجھ جیسا کم فہم اس سلسلے میں ان کو کیا اضافی نقطہ دینا چاہتا ہے۔ سو عرض یہ ہے کہ علمائے کرام نے پرویز کے لٹریچر پر مختلف پہلوؤں سے جو مواد پیش کیا ہے (ان میں مولانا یوسف لدھیانویؒ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ جنہیں گزشتہ دنوں شہید کیا گیا) وہ ہر لحاظ

سے جامع اور درست ہے مگر بعض قارئین خصوصاً کالج اور یونیورسٹی کے طلباء چونکہ عدیم الفرصت ہوتے ہیں اور وہ من وعن تمام حوالہ جات اور لٹریچر پر تنقیدی اور تحقیقی کام کا مطالعہ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا مواد ان کے ہاتھ آئے جو مختصر ہو پرویز کے افکار و نظریات اور تعبیرات کا اس میں صرف ایک خاص پہلو Discuss کیا گیا ہو۔ اور بحیثیت مسلمان اس مواد کا مطالعہ کرنے سے ایسا علمی اسلحہ ان کے ہاتھ آئے۔ کہ اس کے ہوتے ہوئے لغزش قدم کا اندیشہ نہ رہے لہذا میں کالج اور یونیورسٹی کے طلباء کو مد نظر رکھ کر یہ مضمون تحریر کر رہا ہوں۔

میں عرصہ دراز تک پرویز کے لٹریچر کا قاری رہا ہوں۔ ان بعض کتابیں تو دو دو تین تین بار بھی زیر مطالعہ رہیں۔ اس لٹریچر کے خلاف جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسکا مطالعہ کرنے کی بھی توفیق نصیب ہوئی ہے میری رائے یہ ہے کہ پرویز صاحب کا جو تصور الہٰ ہے۔ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات سے یکسر متصادم ہے اور ہماری سماجی' اور معاشرتی اقدار سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ آیئے دیکھتے ہیں پرویز کا تصور الہٰ کیا ہے؟ مجھے امید ہے کہ اس موضوع پر یہ تحریر مطالعہ کرنے کے بعد تمام قارئین بھی ان شاء اللہ پرویز کے بارے میں خود کوئی فیصلہ کرنے کے اہل ہو جائیں گے۔ پرویز کا جو تصور الہٰ ہے۔ وہ انکی کتاب "کتاب التقدیر" کا مطالعہ کرنے سے واضح طور پر سامنے آجاتا ہے۔ کتاب التقدیر میں انہوں نے اپنے ایک خاص انداز میں مسئلہ تقدیر پر بحث کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر پرویز کے جملہ افکار سے اتفاق کیا جائے تو پھر یہ مسئلہ بظاہر لاینحل نہیں رہتا۔ مگر اس میں جو بنیادی نقصان ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً قادر' قدیر' سمیع الدعاء قادر مطلق وغیرہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

"کتاب التقدیر" کے دوسرے باب کا عنوان ہے "خدا کا تصور" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عالم خلق ہے اور ایک عالم امر۔ عالم امر خدا کی تخلیق کردہ کائنات سے ماوراء ہے اور عالم خلق خدا کی پیدا کردہ کائنات پر مشتمل ہے۔ قانون کا تعلق عالم خلق سے ہے عالم امر سے نہیں لکھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کائنات میں نہ کوئی معلول(Effect)بغیر علت (Cause) کے وجود میں آسکتا ہے۔ اور نہ کوئی شے کسی پہلے سے موجود مالہ (Mate-rial) کے بغیر وجود پذیر ہو سکتا ہے یہ خدا کا قانون ہے لیکن اسکا تعلق عالم خلق سے ہے۔ عالم امر سے نہیں۔ (کتاب التقدیر ص ۳۵)

یوں گویا ان الله یفعل ما یرید۔ یقیناً اللہ اپنے اختیار وارادہ کے مطابق جیسا چاہتا ہے کر لیتا ہے ان ربك فعال لما یرید۔ یقیناً تیرا رب جیسا چاہے کر لیتا ہے ان الله یحکم مایرید۔ یقیناً اللہ اپنے ارادے کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے لا یسئل عما یفعل وهم یسئلون ۔ اس سے یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ تم نے ایسا

کیوں کیا ہے اور سب سے پوچھا جا سکتا ہے۔ واذاقضیٰ امراً فانما یقول له کن فیکون اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے لئے فقط اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے وغیرہ آیات کا تعلق خدا کی پہلی دنیا (عالم امر) سے ہے موجودہ انسانی دنیا سے نہیں۔ لکھتے ہیں :

"یہ ہے خدا کا عالم امر یحکم مایرید اور یفعل ما یشاء کا عالم" ص ۳۷

پرویز صاحب نے بڑی مہارت سے ان تمام اصطلاحات الفاظ و آیات قرآنی کے جدید اور من پسند معانی مفہوم متعین کئے ہیں جہاں اللہ کی قدرت وغیرہ صفات کا عالم خلق میں اثبات کا ان کو شبہ ہوا ہے۔ آگے جانے سے قبل یوں کہا جا سکتا ہے کہ پرویز کا تصور خدا یہ ہے کہ خدا نے کسی زمانے میں تخلیق، قانون سازی وغیرہ کی ہے اور اس کے بعد جب سے کائنات وجود میں آئی ہے۔ خدا (نعوذباللہ) ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فارغ بیٹھے ہوں یوں پھر قرآن کریم کی آیت کل یوم هو فی شان بھی بقول انکے عبوری دور کے لئے ہو گی۔ ملاحظہ کیجئے انکی کتاب "کتاب التقدیر" سے چند اقتباسات۔

(۱) "ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ عالم خلق میں آکر خدا کا امر "قدر مقدور" ہو جاتا ہے یعنی وہ مقرر کردہ پیمانوں کے قالب میں ڈھل جاتا ہے" ص ۴۴

(۲) "جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اسے سمٹا کر بیان کیا جائے تو حسب ذیل نتائج سامنے آئیں گے۔ ان الله علی کل شئی قدیر۔ خدا نے ہر شے کے لئے قوانین مقرر کر رکھے ہیں اور انہی قوانین کی رو سے وہ ان پر پورا پورا کنٹرول رکھتا ہے" ص ۴۶

(۳) "ہم نے دیکھ لیا کہ خدا کے تخلیقی پروگرام کی اس نئی منزل میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا ہے اور وہ یہ کہ خدا کا امر (جو کسی قاعدے اور ضابطے کا پابند نہیں تھا امر مقدور ہو گیا یعنی وہ مطلق اختیار کے بجائے قانون بن گیا۔ اور قانون بھی ایسا جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ بالفاظ دیگر اس مرحلہ میں خدا نے اپنے اوپر پابندیاں عائد کر لیں۔ خدا کے لئے پابندی کے تصور سے احساس پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے لیکن جب اس نے خود ہی ایسا کیا اور کہا تو ہمارے لئے اس کو تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہیے" ص ۴۶

(۴) "ان تصریحات کی روشنی میں دو بنیادی امور ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔

(الف) یہ جو ہم ہر ناگہانی مصیبت اور ناخوشگوار واقعہ پر کہتے ہیں کہ کیا کیا جائے اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی۔ یا اللہ کو بھی منظور تھا۔ تو ایسا کہنا نہ صرف حقیقت کے خلاف ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے خلاف بہت بڑا الزام ہے خدا کی مرضی ہی ایسی تھی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو کچھ ہوا ہے نہ اسکے ہم ذمہ دار ہیں۔ ہم نے تو ہر طرح کی کوشش

کرلی تھی۔ کہ ایسا نہ ہو لیکن اس کے باوجود خدا نے ایسا کر دیا اور نہ ہی کوئی معقول وجہ ہماری سمجھ میں آتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خدا کی مرضی کے خلاف دم مارنے کی جا نہیں وہ قادر مطلق ہے وہ جو جی چاہے کرلے......

(ب) اور دوسری بات یہ کہ انسان کی تجویز و تدبیر اور اس کی تگ و تاز اور سعی و کاوش سے کچھ نہیں ہوتا وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ اس سے انسان ایک مجبور مخلوق بن کر رہ جاتا ہے۔ ص ۸۶۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ جہاں خدا سے متعلق شاء یشاء جیسے الفاظ آئیں ان کا ترجمہ یہ نہیں کرنا چاہیے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ انکا ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ سب کچھ خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ص ۱۹۷

(۵) "ہمارے ہاں جو ماشاء اللہ کا عام طور پر ترجمہ کیا جاتا ہے جو اللہ چاہے گا اور اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ ہم جو جی میں آئے کرلیں ہوگا وہی جو خدا چاہے گا۔ جو خدا کو منظور ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم تقدیر کے اس تصور سے پیدا ہوتا ہے جس کی رو سے انسان کو مجبور قرار دیا جاتا ہے۔ چونکہ تقدیر کا یہ تصور خلاف قرآن ہے اسلئے ماشاء اللہ کا مذکورہ صدر مفہوم بھی صحیح نہیں اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ ص ۲۰۴

(۶) حاصل کلام یہ کہ ماشاء اللہ کے معنی یہ نہیں کہ جیسا خدا چاہے گا ویسا ہی ہوگا اس لئے کہ انسان کے لئے تو خود خدا نے کہہ دیا ہے کہ اعملو اما شئتم جس طرح تمہارا جی چاہے کرو۔ خدا کی مشیت قانون مقرر کرنے تک تھی۔ جب اس نے غیر متبدل قوانین بنا دیئے تو اس کے بعد انسان کی مشیت کار فرما ہوگی۔ یعنی اس کا جی چاہے تو ان قوانین کے مطابق کام کرے جی چاہے تو ان کے خلاف روش اختیار کرلے البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ انه بما تعملون بصیر۔ ص ۲۰۷

(۷) "جب سے مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑا تو انکے ہاں بھی خدا کا تصور ایک مطلق العنان ڈکٹیٹر کا سا پیدا ہو گیا کہ جس کے ہاں نہ کوئی قاعدہ ہے نہ قانون۔ وہ جو جی میں آئے کرتا ہے اور اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ جب تک امت میں قانون کی حکمرانی رہی اسے خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت تک خدا کے متعلق قرآنی تصور قائم رہا لیکن جب اسکے بعد خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی تو خدا کے متعلق بھی تصور بدل گیا..... لیکن در حقیقت ہم نے خدا کو زمین کے بادشاہوں کے قالب میں ڈھال رکھا ہے..... جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلیل کردے جسے چاہے جاگیریں بخش دے جس سے چاہے چھین لے ...... قرآن کا خدا انسانوں کے ان خود ساختہ تصورات سے بہت بلند ہے۔ ص ۲۲۷

(۸) ''یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم میں کئی جگہ ان الله علی کل شئی قدیر آیا ہے یعنی ان آیات میں اشیاء کہا گیا ہے۔ انسان نہیں کہا اس سے یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ اشیائے کائنات تو خدا کے پیمانوں (قوانین) کے مطابق چلنے کیلئے مجبور ہیں لیکن انسان مجبور نہیں۔ ص ۲۴۴

آپ یقیناً سمجھ گئے ہونگے کہ پرویز صاحب کا اصل تصور الہٰ کیا ہے۔ رزق' عزت اور ذلت دینے اور دیگر امور کے بارے میں انکا یہی موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب امور کے لئے قوانین مقرر کئے ہیں۔ جنہیں پرویز صاحب قانون مشیت کہتے ہیں اور ان قوانین پر اللہ تعالیٰ خود ہر حال میں کار بند رہنے کا پابند ہے۔ گویا عالم امر کے بعد اب قانون مشیت خود خدا بن گیا ہے آیئے دیکھئے۔ درج ذیل آیت کا وہ کسی طرح ترجمہ یا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

قل اللهم ملك الملك توتی الملك من تشاء و تنزع الملك فمن تشاء وتغر من تشاء و تذل من تشاء بيدك الخير انك علی کل شئی قدیر۔ ۳/۲۵

بار الہا! قوت و اقتدار کا حقیقی مالک تو ہے جو لوگ تیرے قانون مشیت کے مطابق چلے ہیں تو انہیں اقتدار عطا کر دیتا ہے۔ جو اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان سے اقتدار چھین لیتا ہے عزت و ذلت تیرے قانون مشیت کے مطابق ملتی اور چھنتی ہے۔ یہ سب کچھ یونہی دھاندلی سے نہیں ہوتا۔ دھاندلی سے کیسے ہو سکتا ہے تو نے ہر بات کے لئے پیمانے 'اندازے' قوانین مقرر کر رکھے ہیں جو فیصلہ قانون حقہ کے مطابق ہو اس میں ظلم اور زیادتی کا شائبہ تک نہیں رہتا۔ ص ۳۱۳

اس مفہوم سے ہم بآسانی یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ہمارے ملک یا دنیا میں جتنے بھی حکمران بر سر اقتدار آئے ہیں۔ وہ قانون مشیت خداوندی کو Follow کرتے رہے ہیں چند صفحات آگے جاکر پرویز صاحب نے فيغفر لمن يشاء و يعذب من يشاء کا وہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اور پھر اس پر تبصرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

''اس عقیدہ نے کہ نجات اور مغفرت انسان کے اپنے اعمال سے نہیں ہوتی۔ یہ خدا کے فضل اور اسکی رحمت پر موقوف ہے وہ جسے چاہے بخش دے جسے چاہے عذاب دے اس قوم کو تباہیوں کے کن عمیق غاروں میں دھکیل دیا ہے۔ اسکا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔'' ص ۳۲۹

میں نے ابتداً عرض کیا تھا کہ پرویز صاحب کا تصور خدا ہماری معاشرتی اور سماجی اقدار سے پہلے بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کے تصورات و افکار قبول کرنے سے ہماری سماجی و مذہبی اقدار کی عمارت دھڑام سے گر جائے گی۔ زیر بحث انکی کتاب کے ۱۶ ابواب کے چیدہ چیدہ اقتباسات آپ نے پڑھے۔ ان ابواب میں پرویز

صاحب یہی پیغام دینا چاہتے ہیں کہ پہلے خدا تھا اب اسکی جائے قانون مشیت کار فرما ہے آپ ہزار بار دعائیں مانگتے جائیں۔ وہی ہوگا جو قانون مشیت کا تقاضا ہے جبکہ ہمارے معاشرے میں ایک دوسرے کیلئے نیک تمنائیں و دعائیں بڑی کار آمد نظر آتی ہیں۔ یہی کچھ ہمیں قرآن نے بتایا ہے اور یہی کچھ بے شمار احادیث میں موجود ہے قرآن کریم میں انفرادی اور اجتماعی دعاؤں کا تذکرہ جابجا موجود ہے نیک خواہشات اور دعاؤں سے آپس کے روابط اور تعلقات بھی بڑھتے ہیں اور دلوں کو سکون ملتا ہے۔

پرویز صاحب نے جب خدا کا تصور ہی تبدیل کر دیا جب خدا نعوذباللہ ایک بے اختیار ہستی ہے تو اس کے سامنے دست دعا دراز کرنا ہی بے سود ہے ''کتاب التقدیر'' کا سترہواں باب ہی دعا کے موضوع پر ہے آیئے دیکھتے ہیں پرویز صاحب نے کس مہارت سے ہمارے ہاتھ سے یہی ایک سہارا (دعا) (جس کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے اور جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا۔ اجیب دعوة الداع اذا دعان یعنی میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کر لیتا ہوں جب وہ مجھ سے مانگتا ہے) بھی چھین لیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پرویز صاحب اس اجماعی عقیدے تصور خدا اور دعا کو بیک جنبش قلم ہمارے ہاتھ سے لے کر آخر ہماری کیا خدمت کرنا چاہتے ہیں؟

یہ حقیقت ہے اور پرویز صاحب نے بھی بعض مقامات پر اسکا اعتراف کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان نے ہر زمانے اور ہر دور میں ان دیکھی قوت یا قوتوں سے دعائیں مانگی ہیں۔ قوموں کی زندگی میں ہزار اختلاف ہو انکے طرز زندگی اور انداز معاش و معاشرت میں لاکھ تفاوت ہو۔ ان میں کوئی بھی قدر مشترک نہ ہو۔ اس کے باوجود ان میں ایک چیز قدر مشترک کے طور پر ضرور پائی جائے۔ اور وہ ہوگی کسی مافوق الفطرت سے دعائیں مانگنا اور اپنی مدد کے لئے التجا کرنا۔ دعا ہی ہر بے سہارا کا سہارا۔ ہر بے آسرا کا آسرا اور ہر ضعیف و ناتواں کا سامان تقویت ہے۔

پرویز صاحب نے دعا کے موضوع پر تفصیلی بات کی ہے آخر میں ایک سوال اٹھایا ہے لکھتے ہیں

''دعا مانگنے کی ضرورت کب آتی ہے؟ آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ مظلوموں اور بے کسوں کو خدا سے دعا مانگنے کی ضرورت کہاں اور کب پیش آتی ہے؟ اسکی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس غلط معاشرہ میں جہاں کوئی بات قاعدے اور قانون کے مطابق نہ ہوتی ہو ہر جگہ دھاندلی ہو رہی ہو کسی حقدار کو اس کا حق نہ ملے........... یہ ہے وہ معاشرہ جہاں بے کسوں اور ناداروں کو قدم قدم پر خدا سے دعائیں کرنی پڑتی ہیں کہ اس کے سوا ان کے سامنے امید کا کوئی سہارا نہیں ہوتا۔'' ص ۲۷۶

اس باب کا مطالعہ کرنے سے پرویز صاحب کے جو افکار و خیالات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

کہ جہاں کہیں معاشرے کے کسی فرد کو کوئی مسئلہ در پیش ہو۔ اس کو حل کرنے کی ساری ذمہ داری حکومت وریاست پر ہوگی۔ سو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ دنیا میں اس وقت اگر کہیں فلاحی ریاست موجود ہے تو اس ریاست کے چھوٹے موٹے مسائل تو یقیناً ریاست و حکومت حل کرے گی۔ مگر بعض ایسے مسائل بھی تو ہوتے ہیں۔ جو حکومت کے دائرہ کار میں نہیں آتے یا آتے بھی ہیں تو ان کا اس کے پاس حل موجود نہیں ہو تا مثلاً فلاحی ریاست کا کوئی باشندہ ایڈز جیسے مہلک اور لاعلاج مرض میں مبتلا ہے۔ تو وہاں اگر اس کے ہاتھ میں دعا کا سہارا بھی نہ رہے یا ذات خداوندی کا وہ تصور جو عام مسلمانوں کا ہے وہ بھی نہ رہے تو اس تصور خدا میں جو پرویز صاحب دے رہے ہیں میں ماسوائے مایوسی اور قنوطیت کے اور کیا ہے؟ یہ درست ہے کہ ہماری اکثر حکومتیں اور ارباب حل و عقد اپنی ذمہ داریوں اور شہریوں کے بنیادی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور ذمہ داریوں کو نبھانے سے پہلو تہی کرتے ہیں مگر ایسے لاتعداد مسائل تو ان فلاحی ریاستوں میں بھی ہو سکتے ہیں جن کا تصور پرویز صاحب پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں خلافت راشدہ خصوصاً حضرت عمرؓ کی خلافت کی مثال دی جاسکتی ہے۔ جو کہ پرویز صاحب کے بھی آیئڈیل ہیں کیا حضرت عمرؓ اور دیگر خلفاء دعاؤں سے بے نیاز تھے؟ ہرگز نہیں۔ خلفاء راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ شب و روز کی محنت شاقہ اور قوانین فطرت کو Follow کرتے ہوئے بھی صبح و شام اپنے اللہ سے مانگتے رہے۔ اس بات کی گواہی خود پرویز صاحب کی کتاب "شاہکار رسالت" ہی دے گی۔

اگر دعا ہی بے سود ہے تو پھر جنگ بدر کے آغاز میں حضورؐ اتنے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا میں کیوں مصروف رہے؟ خود پرویز صاحب ہر نماز کے اوائل میں اھدنا الصراط المستقیم اور اواخر میں ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة کیوں پڑھتے ہیں۔ (سلیم کے نام ایک خط میں انہوں نے اس بات کا برملا اعتراف واظہار کیا ہے کہ میں احناف کے طریقے پر نماز پڑھتا ہوں)

اس بات سے ہرگز انکار ممکن نہیں کہ ہمارے دین نے ہمیں مختلف شعبہ ہائے حیات میں کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کے لئے محنت اور سعی کی تعلیم دی ہے ہم محنت اور سعی کریں گے تو کامیاب و کامران رہیں گے ساتھ اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر التجا و دعا ہوگی تو کامیابی کی امید یقین میں بدل جائے گی۔ یہی تو خدا کی شان ہے جو بندوں کی دعاؤں کو قبول کرتا اور ان کے اعمال کو نتیجہ خیز بناتا ہے یہاں ایک بات بطور خاص ذکر کرنا چاہوں گا کہ بعض اوقات Natural Laws کو بھی Follow کیا گیا ہو۔ خوب محنت اور کوشش بھی کی گئی ہو اور پھر بھی نتیجہ آسمانی آفات کی نذر ہو جاتا ہے جس وقت یہ آرٹیکل میں لکھ رہا ہوں اور جو اخبارات میرے سامنے ہیں ان سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تھر، بلوچستان اور دیگر بعض علاقوں میں خشک سالی اور قحط نے انسانی

وسائل اور مساعی کو کس قدر بے بس کر دیا ہے۔ لہٰذا بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ یہ ہو گا کہ قوانین فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے مادی وسائل ضرور اپنائیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کر کے اس کے مثبت نتائج کی خاطر دست بدعا بھی رہیں گے۔ کیا تھر' بلوچستان اور خشک سالی سے متاثرہ علاقوں میں دیگر بہت سارے وسائل کو ملحوظ خاطر اور روبہ علم لاتے ہوئے ہم ذات خداوندی سے التجا کو نظر انداز کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

صلوۃ الکسوف (سورج گرہن) صلوۃ الخسوف (چاند گرہن) صلوۃ الجنازہ' صلوۃ الاستسقاء (باران رحمت کے لئے دعاء اهدنا الصراط المستقیم سے آغاز نماز اور ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة سے اختتام نماز وغیرہ دعا ہی تو ہے جن پر مسلمانان عالم کا اپنی دینی تعلیمات کی روشنی میں عملاً و عقیدۃً اتفاق ہے یہ تو قرآن ہی نے ہمیں بتایا ہے کہ جب طالوت اور جالوت کے مابین مقابلہ حق و باطل ہو رہا تھا تو میدان جنگ میں طالوت اور اسکے مسلمان ساتھیوں نے یہ دعا کی تھی ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین اور اللہ نے اس عمل کو پسندیدہ قرار دیا اور انہیں کامیابی عطا کی۔ اگر صرف مادی وسائل اور قوانین کو بروئے کار لانے میں ہی کامیابی کا راز مضمر ہے تو وہ سارے وسائل تو طالوت اور جالوت دونوں بروئے کار لا چکے تھے اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ایک خدا ایک قادر المطلق ایک مجیب الدعا ضرور ہے جو ہماری دعاؤں کو سنتا ہے۔

سارے قرآن کا نہیں تو کم از کم ابتدائی دو سورتوں یعنی البقرہ اور سورۃ ال عمران کا مطالعہ بھی کیا جائے تو ان دو سورتوں میں کئی ایک دعاؤں کا تذکرہ بالکل غیر مبہم انداز میں موجود ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۸۶' سورہ ال عمران آیت نمبر ۸' آیت' نمبر ۱۶' آیت نمبر ۲۶' آیت نمبر ۱۴' اور آیت نمبر ۱۹۳۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ بعض دانشور قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں ان میں سے بعض مادی وسائل اور قوانین فطرت کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے صرف توکل علی اللہ کا خشک اور غلط مطلب اخذ کرتے ہیں جبکہ بعض نے صرف مادی وسائل یا مادہ (Materialo) کو ہی خدا سمجھ لیا ہے یہ دونوں گروپ انتہاپسند ہی کہلائیں گے۔

ہمارے دین نے ہمیں عقائد' عبادات اخلاقیات اور معاملات بلکہ ہر شعبہ زندگی میں اعتدال سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ موضوع زیر بحث کے حوالے سے یہ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قادر المطلق پر بھی ایمان رہے۔ اور حتی المقدور مادی وسائل کو بھی اپنایا جائے۔ دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھیں گے تو ہم مسلمان کہلائیں گے۔ یہی ہمارے دین کا مقصود و مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں افراط و تفریط سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ وما علینا الا البلاغ۔

حضرت مولانا عبدالحق کی بارھویں برسی کی مناسبت سے

مولانا حامد الحق حقانی

تحریکات اسلامیہ پر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رح کے اثرات کا ایک جائزہ

قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ، مہتمم وبانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو اس دنیا سے رحلت کئے ہوئے بارہ برس بیت چکے ہیں۔ انکی وفات 7 ستمبر 1988ء بروز بدھ دوپہر پونے دو بجے کے قریب خیبر ٹیچنگ ہسپتال پشاور میں انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں دل کا دورہ پڑنے سے واقع ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش 1912ء یا 1914ء کو ہوئی تھی۔ لیکن بعض محققین مورخین کے مطابق 1906ء یا 1910ء بھی بنتی ہے۔

حضرت شیخ کا مختصر خاندانی شجرہ نسب :

قائد شریعت علامہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ ولد اخونزادہ الحاج حضرت مولانا محمد معروف گلؒ ولد اخونزادہ الحاج حضرت مولانا میر آفتابؒ ولد اخونزادہ حضرت مولانا عبدالحمیدؒ ولد اخونزادہ حضرت مولانا عبدالرحیمؒ ولد اخونزادہ حضرت مولانا عبدالواحدؒ۔ شجرہ معلوم کے مطابق اس وقت راقم کے فرزند عبدالحق ثانی خاندان کی نویں پشت کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

(شجرہ و قومیت بحوالہ جات کاغذات مال تحصیلدار آفس نوشہرہ و پٹوار خانہ اکوڑہ خٹک، حسب بندوبست اراضی 1870ء تا 1928ء۔ بمطابق کاغذات و نمبرات زرعی اراضی نمبر خسرہ 2164، جمع بندی نمبرات 116, 155, 255, 540)

قومیت : اخوخیل

یہ صاحب علم و فضل خاندان جو صدیوں سے ممتاز علمائے حق مجاہدین پر مشتمل چلا آرہا ہے۔ اخون عربی میں علامہ اور زمانہ قدیم میں پی ایچ ڈی ڈاکٹر کو کہتے تھے۔ یہ لقب وسط ایشیا، ایران اور مغربی ترکستان میں دینی پیشوا، مفتیوں اور بلند پایہ علماء کیلئے استعمال ہوا ہے۔ (ماخوذ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ ص ۲۰۹) (ماخوذ تاریخ ریاست سوات ص ۸۲، از محمد آصف خان)

معروف مؤرخ جناب پروفیسر پریشان خٹک کے بقول :

پشتو تاریخ کے مورخ، ادیب اور پروفیسر پریشان خٹک کے بقول قوم اخوخیل قدیم ترین افغان

پختون علمائے کرام قبیلوں کی قومیت اور شاخ چلی آرہی ہے اور قوم اخونخیل (اخونزدگان) کا معاشرہ میں اعلیٰ دینی منصب اور قومیت کا فرق دیگر اقوام کے درمیان ایسا ہے کہ جس طرح کہ پرائمری مدرسے اور ایک بڑی اسلامی یونیورسٹی جامعہ حقانیہ کا فرق یا کسی حجرے اور مسجد کے تقدس کا فرق۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے آباؤاجداد نسل در نسل علمائے حق گذرے ہیں۔ مثلاً حضرت اخون سالاکؒ یوسفزئی، حضرت اخون درویزہؒ، حضرت اخون پنجو باباؒ اور حضرت اخون علامہ عبدالغفور سوات بلباجی صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔

مختصر تاریخ خاندانِ حقانی :

حضرت شیخ الحدیثؒ ضلع نوشہرہ علاقہ خٹک کے مرکزی قصبہ اکوڑہ خٹک میں محلہ باغبانان کے اپنے قدیم اجدادی مکان میں علاقہ کے مشہور تجارت پیشہ اور زمین دار عالم شخصیت اخونزادہ الحاج حضرت مولانا محمد معروف گلؒ ابن اخونزادہ الحاج حضرت مولانا میر آفتابؒ کے گھر انکی ولادت باسعادت ہوئی۔ یہ خطہ اکوڑہ خٹک ایک ایسے گوہر نایاب کے آباؤاجداد (اور بذات خود حضرت شیخ الحدیثؒ مدفون جامعہ حقانیہ) کے اجسام مقدسہ کا مسکن و مولد اور آخری آرام گاہ مبارکہ ہے جن کے درخشاں کارناموں کی تاریخ دعوت و عزیمت صدیوں پر محیط ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کہ یہ بزرگان اور اکابرین پانچویں صدی ہجری میں افغانستان سے سلطان محمود غزنویؒ، سلطان شہاب الدین غوریؒ، پھر احمد شاہ ابدالیؒ (بحکم امام انقلاب حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کی مجاہد افواج کے ہمراہ برصغیر پاک و ہند کے جہاد کی غرض سے یہاں تشریف لائے تھے۔ ابتدا میں غزنی، غوڑہ مرغئی نامی علاقہ سے جو یوسف زئی، خٹک، اور دیگر مختلف افغان قبائل اقوام کی اصل آماجگاہ تھی۔ رہبر طریقت، قائد شریعت شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے جدالاجداد اور اخونزادہ حضرت مولانا عبدالحمیدؒ کے والد گرامی اور خاندانِ اخوندزادگان صاحبان کے (مورثِ اعلیٰ) حضرت مولانا اخوندزادہ عبدالرحیمؒ (قوم اخونخیل) ابن حضرت مولانا اخونزادہ عبدالواحدؒ اخونخیل کے آباؤاجداد (سوترہ / کرک / علاقہ خٹک) میں قیام پذیر رہے۔ بعد میں دیگر پشتون قبیلوں کے ساتھ حضرت مولانا اخونزادہ عبدالرحیمؒ اپنے خاندان کے ہمراہ 1587ء / 1800ء صدی عیسوی کے شروع کے زمانے میں علاقہ خٹک کے مرکزی، علمی، ادبی، اور روحانی مقام سرائے "ملک پورہ" (اکوڑہ خٹک) میں تبلیغ دین کے سلسلے میں شاہجہانی دور کے مشہور بزرگ شیخ ارخ الدین سلجوقیؒ المعروف اخوند دین باباؒ استادِ شیخ رحمکار حضرت کاکا صاحبؒ کے مزار کے قریب محلوں میں آباد ہوئے۔ تاریخ پاکستان گواہ ہے کہ حضرت اخونزادہؒ کی پانچویں پشت (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ) جیسی عظیم اولاد نے شروع دن سے آج تک اسلامی انقلابی، جہادی، روحانی، تعلیمی، علمی و ادبی اور سیاسی خدمات کی تاریخ رقم کی۔ جس کی بے نظیر مثال دارالعلوم حقانیہ ہے۔ عالم اسلام کے ممتاز عالم دین، مصنف و مورخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (علی میاں) کے

بقول کہ آج دارالعلوم حقانیہ قافلہ ولی اللہیؒ سید احمد بریلوی شہیدؒ، سید اسماعیل شہیدؒ کے خون سے سینچا ہوا گلستان ہے۔ حق وباطل کی تاریخی جنگ میں شہدائے بالاکوٹ کا مرکز یہی میدان رہا۔ اور وہی جہادی سنت حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی جاری رکھی اور آپکے شاگردوں نے روسی استعمار کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

آپ کی جدائی کے بعد بھی ان بارہ برسوں میں حضرت شیخ الحدیثؒ (دادا جان) کے فیوضات وبرکات جامعہ حقانیہ سے نکلی ہوئی تحریکوں پر بدرجہ اتم مرتب ہوتی گئیں۔ جامعہ حقانیہ کی دن دوگنی رات چوگنی ترقی کیساتھ ساتھ انکے افغان جہاد میں مصروف العمل شاگردوں کی ایک عظیم قوت طالبان اور مجاہدین اسلام، امارت اسلامی افغانستان کی نو تازہ مضبوط اور مستحکم بنیاد قائم کرنے میں جہد مسلسل سے بالآخر کامیابی و کامرانی سے فیض یاب ہوئی۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا عبدالحقؒ نے اپنی روحانی اولاد طالبان کو زندگی بھر بے پناہ دعاؤں سے نوازا تھا۔ پاکستان اور افغانستان بلکہ پورے عالم اسلام میں اسلامی نظام کے نفاذ اور انقلاب برپا کرنے کا درس دیا تھا۔ آج وہی وعظ و نصیحت اور دعائے نیم شبی رنگ دکھارہی ہے اور آج طالبان کا سفید پرچم حقانیہ سے لے کہ کابل اور مزار شریف پر لہرایا جارہا ہے۔ شیخ القرآن والحدیثؒ دارالحدیث ہال میں صحاح ستہ کی بابرکت اور متبرک کتب بخاری وترمذی شریف کی دروس ابواب الجہاد اور ملک بھر میں کی ہوئی تقاریر کے دوران اکثر فرمایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ بہت جلد پاکستان اور افغانستان میں ان دینی مدارس کے وظائف پر گزراوقات کرنے والے بے سروسامانی کی زندگی گزارنے اور دنیا کے عیش و عشرت کو ٹھکرانے والے منبر و محراب کے بوریا نشین طالبان کی بے مثال اسلامی حکومت قائم ہو کر رہیگی۔ جس کیساتھ ہی اسکے جغرافیائی اثرات سے خصوصاً پاکستان، وسط ایشاء اور پورے خطہ میں اسلامی انقلاب کی تحریک زور پکڑے گی۔ چیچنیا، داغستان، تاجکستان اور ازبکستان میں اسلامی تحریکوں کی احیاء اسکی زندہ مثالیں ہیں۔

آج پورے تیس برس سے زیادہ پارلیمنٹ میں اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جمعیت علماء اسلام پاکستان کے پرچم نبویؐ کے سایہ تلے برسرپیکار رہنے والے عظیم پارلیمنٹرین اور ملک و ملت کے روحانی بزرگ و پیشواء حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ گو اب ہماری نظروں کے سامنے موجود نہیں رہے۔ لیکن ایک ولی اللہ ملنسار مرد درویش کی زبان مبارکہ سے نکلے ہوئے کلمات حق اور اقوال زرین طالبان کی صورت میں پورے عالم کی نگاہوں کے سامنے زندہ جاوید تصویر کی صورت میں ایک عظیم مثال بنے ہوئے ہیں۔ پوری دنیا بالخصوص اسلامی ممالک میں تحریکات اسلامیہ زور پکڑ رہی ہیں۔ پچھلے شاطر سیاست باز حکمرانوں کو اپنی ذات اور کرسیوں کو بچانے کیلئے اسلامی نظام کے نفاذ کے خوشنما اعلانات کے نعروں کا سہارا لینا پڑا۔ ان ۵۳ برسوں میں ملکِ عزیز پاکستان میں حکمران ٹولا، کرپٹ اور قوم پرست سیاستدانوں اور چالباز بیوروکریسی کفر کی طاقتوں اور مغربی آقاؤں کے اشاروں پر ناچتی ہوئی مختلف

سابقہ قومی اسمبلیوں میں روز اول سے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ مجاہد اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے دور میں پھر ایوان بالا سینٹ میں جمعیت علماء اسلام کے قائد حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور حضرت مولانا قاضی عبداللطیف کی جانب سے پیش کئے ہوئے اسلامی قوانین کے فوری نفاذ کے بلوں اور تحریکات کی تضحیک و تمسخر اڑایا چلا جاتا رہا۔ آج شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا پاکستان میں اسلامی انقلاب کا خواب ان شاء اللہ سچا ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ آج "وہی طبقہ" جو پاکستان میں بے پناہ کرپشن لوٹ مار کر کے خزانہ خالی کرنے حتی کہ ملک کو دیوالیہ بنانے کے بعد قدرت کی جانب سے مکافات عمل کے طور پر الحمدللہ جیل کی چکیوں میں بد سخت احتساب کے عمل سے دوچار ہے۔ مستقبل قریب میں اب اگر احتساب کے نام پر نئی فوجی اور مشترکہ این جی اوز گورنمنٹ صرف اخباری اعلانات اور سیاسی دعوؤں سے عوام کو فریب اور طفل تسلیاں دیتے رہے تو اس ملک میں نتیجتاً خونی انقلاب جنم لے سکتا ہے۔ جس سے بچنے کیلئے بالآخر عوامی اسلامی انقلاب ناگزیر ہوگا۔ اس عظیم منصوبے کے سلسلے میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے روحانی فرزندان حقانیہ نے جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے انکے جانشین قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق کی قیادت میں اسلامی انقلاب کے کاذ کے لئے بھرپور جدوجہد کا عہد کیا ہے۔ (حضرت شیخؒ کی بارہویں برسی کے موقع پر) اپنے حالیہ دورہ پنجاب میں قائد جمعیت نے عظیم الشان طوفانی عوامی جلسوں اور ریلیوں سے خطاب کرتے ہوئے امریکی، یہودی اور صیہونی طاقتوں اور منافق حکمرانوں، سیکولر سیاستدانوں کیخلاف تحریک طالبان پاکستان کی طرز پر تحریک چلانے کا خاکہ پیش کیا ہے اور جلد ہی مینار پاکستان لاہور میں لاکھوں کی تعداد میں مجاہد نوجوان طالبان کی عظیم جلسے کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے جو کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے بتائے ہوئے انقلاب پر عمل پیرا ہونے اور ان کیساتھ اظہار وفا کا اعلان ہے اور کیوں نہ ہو کہ طالبان کی بہت بڑی تعداد حضرت شیخ الحدیث اور مولانا سمیع الحق کی براہ راست شاگرد ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کثرت سے فرمایا کرتے تھے کہ روس کے بعد ان شاء اللہ رب العزت ان خاک نشین جنود اللہ طالبان اور علماء حق کے ہاتھوں امریکہ اور دیگر لادینی قوتوں کو پاش پاش کر دیگا۔ الحمدللہ دارالعلوم حقانیہ اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی عظیم خدمات کا سلسلہ روز بروز پھیلتا چلا جارہا ہے اور پوری دنیا اس بات کی معترف ہو چکی ہے کہ اس دینی، تعلیمی درسگاہ نے ایک بڑا انقلاب برپا کر دیا ہے۔ یہ انقلاب تعلیمی، دینی، تربیتی، دعوتی، سیاسی اور دیگر شعبوں میں کامیاب رہا ہے۔ پھر خصوصاً روس کے خلاف جہاد افغانستان کے بارے میں اسکا تاریخی کردار کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اور بعد میں تحریک طالبان کے احیا اور اسکے پنپنے، پھیلانے میں اس مادر علمی نے اپنے لائق فرزندوں کی ہر ممکن مدد اور رہنمائی کی ہے اور تاہنوز جاری ہے۔

آج دنیا بھر کی میڈیا سروسز اور انٹر نیشنل نیوز ایجنسیوں کی فارنر صحافی ٹیمیں وائس آف امریکہ 'بی بی سی 'سی این این وغیرہ حضرت شیخ الحدیث کے قائم کردہ عظیم علمی و روحانی مرکز دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ کو اسلامی تحریکوں اور خصوصاً طالبان افغانستان کی تربیتی یونیورسٹی کے نام سے پکار رہے ہیں۔ زمانہ معترف ہے کہ دارالعلوم حقانیہ میں حضرت شیخ الحدیث کی روحانی اولاد اور دیگر بزرگ اساتذہ کرام و شیوخ نے کبھی مجاہدین طالبان کی جنگی و عسکری تربیت اسلحہ سے نہیں کی بلکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں انکی دینی، اخلاقی اور روحانی تربیت کی ہے۔ اور ان طلباء کو عملی زندگی میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کا درس ضرور دیا ہے۔ جسکا ثمرہ آج تمام دنیا پر عیاں اور روز روشن کی طرح واضح ہے۔ حضرت دادا جان شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا عبدالحق جیسی انقلابی شخصیات اور روحانی ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ ع

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

-----:☆:☆:☆:-----

اردو زبان میں اکیسویں صدی کی پہلی آسان فہم تفسیر

تسہیل البیان فی تفسیر القرآن

تالیف.................. مولانا محمد اسلم شیخوپوری

☆..... اپنے مخصوص انداز میں لکھی گئی اردو زبان کی پہلی موضوعاتی تفسیر۔
☆..... خلاصہ سور' ربط اور قرآنی بصائر و حکم کے بیان کرنے کا خصوصی اہتمام۔
☆..... پہلی جلد جو کہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ پر مشتمل ہے اس میں ان دونوں سورتوں کی ۲۹۳ آیات کو ۱۰۳ عنوانات پر تقسیم کرنے کے بعد ان سے کم وبیش ۸۰۰ ہدایات اور مسائل اخذ کیے گئے ہیں۔

خوشخبری ندائے منبر و محراب کی جلد سادس شائع ہو گئی ہے اور تسہیل الانشاء شرح معلم الانشاء (جلد ثالث) عنقریب شائع ہو رہی ہے۔

نوٹ: بذریعہ ڈاک منگوانے کیلئے تسہیل البیان کیلئے ۲۰۰ اور ندائے منبر کیلئے ۱۳۵ روپے پیشگی ارسال فرمائیں۔

مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی۔ ۷۵۷۰۰ فون : ۲۵۶۲۴۲۴

شفیق فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

تقریب ختم بخاری شریف و جلسہ دستار بندی بتاریخ ۲۶ اکتوبر بروز جمعرات بعد از نماز ظہر

اس تقریب میں پاکستان کے ہزاروں علماء و مشائخ اور تحریک طالبان افغانستان کے اہم ارکان شرکت فرمائینگے۔ تمام مسلمانوں کو دعوت عام ہے۔

تحفظ دینی مدارس کے کنونیئر کی حیثیت سے مولانا مدظلہ کا دس روزہ دورہ پنجاب :

جمعیت علمائے اسلام نے قائد جمعیت مولانا مدظلہ کے دورہ پنجاب کا تفصیلی پروگرام مرتب کیا تھا چنانچہ ۲۰ اگست سے ۳۰ اگست تک پنجاب کے آٹھوں ڈویژنوں میں جماعتی کنونشوں کے ساتھ تحفظ مدارس دینیہ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ اسی طرح آپ نے مختلف استقبالیہ تقریبات اور پریس کانفرنسوں سے خطاب بھی فرمایا، تقریباً اس دورے میں پچاس کے لگ بھگ تقاریب منعقد ہوئیں۔ آپ نے ان مقامات کا دورہ کیا، واہ کینٹ، روالپنڈی ڈویژن، فیصل آباد، لاہور، گوجرانوالہ، ڈسکہ، سیالکوٹ، اوکاڑہ، مانگامنڈی، رینالہ خورد، خانیوال، کبیر والا، ملتان، مخدوم پور، بہاولپور، حاصل پور، چشتیاں، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، نورپوالہ، ساہیوال اور دیگر آٹھ مقامات میں علماء طلباء کارکنوں اور عوام سے پاکستان اور عالم اسلام کو درپیش مسائل حالات اور ان کے حل پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ بالخصوص دینی مدارس کے طالبان کو پاکستان میں طالبان پاکستانی تحریک برپا کرنے کا خاکہ دیا اس دورہ میں جمعیت کے مرکزی اور صوبائی قائدین کی ایک بڑی تعداد بھی آپ کے ہمراہ رہی۔

امارت اسلامی افغانستان کے سفیر مولانا سید محمد حقانی صاحب کی تشریف آوری

گزشتہ دنوں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے ملاقات کیلئے افغان سفیر مولانا سید محمد حقانی صاحب دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ آپ نے حضرت مولانا مدظلہ کے ساتھ مختلف موضوعات پر تفصیلی بات چیت کی خصوصاً افغانستان کی داخلی تازہ صورتحال، امریکہ اور اقوام متحدہ کی ظالمانہ پابندیوں کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات سے مولانا کو آگاہ کیا۔ مولانا سید محمد حقانی صاحب کی بطور سفیر حقانیہ آمد آخری مرتبہ تھی اور آپ الوداعی طور پر حضرت مولانا مدظلہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے۔ اب آپ کا تقرر افغانستان میں ہو چکا ہے۔ اور نئے آنے والے سفیر ملا عبدالسلام ضعیف نے اپنا چارج سنبھال لیا ہے۔

برطانیہ کے پولیٹیکل سیکرٹری مسٹر رچرڈ جانسن سکوئر کی آمد

اسی طرح گزشتہ دنوں برطانوی ہائی کمیشن کے پولیٹیکل سیکرٹری مسٹر رچرڈ بھی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور آپ نے مولانا مدظلہ کے ساتھ مختلف سیاسی امور پر بات چیت کی۔ ملاقات میں افغانستان کی صورتحال، تحریک طالبان افغانستان، پاکستان میں دینی مدارس کے بارے میں حکومتی مبینہ کاروائیوں کے خلاف مولانا مدظلہ کی سرگرمیوں اور القدس کے مستقبل کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ مولانا مدظلہ نے انہیں مسلمانوں اور اپنے موقف سے آگاہ کیا۔

جناب ڈاکٹر کبیر واسطی اور جناب ارشد چودھری سابق وفاقی وزیر کی آمد :

گزشتہ ماہ مسلم لیگی دھڑے کے سربراہ جناب ڈاکٹر کبیر واسطی اور جناب ارشد چودھری اپنے رفقاء سمیت مولانا مدظلہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور چھ دیر مولانا مدظلہ کی رہائش گاہ پر قیام کیا۔ آپ نے موجودہ سیاسی صورتحال کے بارے میں مولانا مدظلہ سے تفصیلی بات چیت کی اور ان سے ملنے اور مستقبل میں آنے والے حالات کے بارے میں رہنمائی حاصل کی۔ بعد میں آپ نے رفقاء سمیت دارالعلوم کے مختلف شعبہ جات کا تفصیلی معائنہ کیا اور ان میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔

مشہور کثیر الاشاعت فرانسیسی اخبار "لیموند" کے نمائندے کی آمد :

فرانس کے سب سے معروف اخبار کے دو نمائندے گزشتہ دنوں حضرت مولانا مدظلہ سے انٹرویو کے لئے تشریف لائے اور آپ سے عالمی موضوعات اور خصوصاً عالم اسلام کی صورتحال کے بارے میں تفصیلی بات چیت کی۔ مولانا مدظلہ نے انہیں اسلام مسلمانوں اور تحریک طالبان کے بارے میں ان دنوں مغربی منفی پروپیگنڈے کے بارے میں اپنے خیالات سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ اسلام اور دینی مدارس دہشت گرد نہیں بلکہ اصل میں سب سے بڑا دہشت گرد امریکہ اور اسکے حواری ہیں۔ جن کی وجہ سے پوری دنیا کا نظام تہس نہس ہے۔ اور انہیں بتایا کہ کم از کم فرانس کو امریکہ کی پالیسیوں کا حامی نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ کی تہذیب و روایات اور سیاسی و اقتصادی حیثیت کے لئے بھی امریکہ ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

جاپانی یونیورسٹی کے پروفیسر مینابو شیمی ذو کی آمد :

گزشتہ ہفتے جاپانی یونیورسٹی کے پروفیسر مینابو شیمی ذو دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ مولانا مدظلہ کی غیر موجودگی میں آپ نے مدیر الحق مولانا راشد الحق سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ بعد میں آپ نے دارالعلوم کے تمام شعبہ جات کا تفصیلی معائنہ کیا اور ان میں گہری دلچسپی لی۔ آپ وہاں کی یونیورسٹی میں جنوبی ایشیاء کے ممالک کی تاریخ اور اسلامی سیاست کے مضامین پڑھاتے ہیں۔ آپ نے مدیر الحق کو بتایا کہ میں نے دارالعلوم حقانیہ کا ذکر جاپان کے مختلف اخبارات اور ٹیلیوژن کے پروگرامز میں دیکھا۔ اور مجھے اسے دیکھنے کا کافی اشتیاق تھا۔

برطانیہ کے معروف اشاعتی ادارہ کے اہم ذمہ دار کی آمد :

۵ ستمبر کو حضرت مولانا مدظلہ سے ملاقات کے لئے برطانیہ کے ایک اہم اشاعتی ادارے کے سینئر سربراہ تشریف لائے۔ آپ نے مولانا مدظلہ کے ساتھ مختلف سیاسی اور دیگر اہم امور پر بات چیت کی۔ آپ کے ہمراہ مختلف پاکستانی شخصیات بھی تشریف لائیں۔ آپ دارالعلوم کی عالمگیر شہرت اور حضرت مولانا مدظلہ کی شخصیت سے متاثر ہو کر از خود دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور یہاں کے انتظامی اور مختلف شعبہ جات کا معائنہ کیا اور دارالعلوم کے بارے میں نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ اسی طرح مجلس تحفظ ختم نبوت کے جناب مولانا اللہ وسایا صاحب نے پانچ ستمبر کو بعد از نماز عصر جامع مسجد میں طلباء سے ختم نبوت کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب کی وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت :

۴ ستمبر کو حضرت مولانا مدظلہ دو روز کیلئے ملتان تشریف لئے گئے۔ آپ نے وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے امتحانی امور کے اجلاس میں شرکت کی۔

افغان جہادی لیڈر مولوی محمد نبی محمدی کے فرزند اور دارالعلوم حقانیہ کے طالبعلم مولوی محمد نعیم کی شہادت :

گزشتہ دنوں دارالعلوم حقانیہ کے درجہ رابعہ کے طالب علم اور مولوی محمد نبی محمدی مدظلہ کے فرزند محمد نعیم محمدی اسلام آباد میں کار کے حادثے میں انتقال کر گئے۔ مرحوم گزشتہ چار برس سے دارالعلوم حقانیہ میں متعلم تھے۔ آپکی شرافت، عمدہ اخلاق اور علم و ادب کیساتھ آپکی وابستگی قابل داد تھی۔ آپکی جواں سال المناک رحلت کی خبر یہاں دارالعلوم حقانیہ میں بڑے دکھ اور درد کے ساتھ سنی گئی۔ آپکا جسد خاکی افغانستان میں دفنایا گیا۔ آپ کیلئے ایوان شریعت میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خصوصی دعائے مغفرت کی۔ ادارہ اس بڑے سانحہ پر حضرت مولانا محمد نبی محمدی مدظلہ اور مولوی حاجی محمد شریف سمیت انکے تمام صاحبزادگان اور پسماندگان کیساتھ اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

دارالعلوم اور ماہنامہ "الحق" کے انتہائی مخلص جناب کرنل (ر) محمد اعظم صاحب کی علالت :

دارالعلوم حقانیہ اور ادارہ الحق کے انتہائی مخلص کرمفرما اور مضمون نگار کرنل محمد اعظم صاحب ان دنوں شدید بیمار ہیں۔ گزشتہ دنوں اچانک بلڈ پریشر بڑھ جانے کے بعد آپ پر فالج کے موذی مرض نے بائیں جانب پر شدید اثر کیا۔ آپکو فوری طور پر نوشہرہ سی ایم ایچ اور بعد میں راولپنڈی سی ایم ایچ میں داخل کیا گیا۔ الحمدللہ اب انکی حالت پہلے سے بہتر ہے۔ ادارہ الحق اپنے اس مخلص ساتھی اور بزرگ رفیق کار کیلئے قارئین الحق سے پرزور دعاؤں کی درخواست کرتا ہے۔ اسی طرح نجم المدارس کلاچی کے نائب مفتی حضرت مولانا قاضی عبدالحلیم صاحب مدظلہ نے اپنی والدہ ماجدہ کی بیماری اور اپنی مشکلات کے حل کیلئے قارئین الحق سے دعا کی درخواست کی ہے۔

تعارف و تبصرہ کتب

کتاب : تسہیل البیان فی التفسیر القرآن

مئولف : مولانا محمد اسلم شیخوپوری ضخامت : ۴۰۹ صفحات

قیمت : درج نہیں ناشر : مکتبہ حلیمہ سائٹ کراچی۔۷۵۷۰۰

زیر نظر تفسیری کاوش کے مئولف حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ کی شخصیت اور انکے علمی کارنامے علمی دنیا کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دست ہنر اور قلمِ معجز رقم کو ایسے جوہر بخشے ہیں جو کہ خالص عطیہ الٰہی ہے اور ہر کسی کو عطا نہیں کیا جاتا اسی وجہ سے آج حضرت شیخوپوری اپنی نت نئی تصنیفات و تالیفات کے باعث علمی اور دینی حلقوں میں نمایاں اور امتیازی حیثیت کے حامل بن گئے ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ماہنامہ "الاشرف" سکھر کی ادارت کی ذمہ داریاں بھی آپ باحسن انداز سے نبھا رہے ہیں۔ کتاب اللہ سے بے پناہ عشق و محبت آپ کی نس نس میں رچا بسا ہوا ہے۔

"تسہیل البیان فی تفسیر القرآن" کی اشاعت سے قبل آپ نے "الاشرف" کے پانچ ضخیم قرآن نمبر علمی دنیا کے سامنے پیش کر دیئے ہیں اور ابھی مزید اسکی کئی جلدیں آنے والی ہیں۔ حضرت مولانا کی تازہ تفسیری کوشش علماء اور خصوصاً عوام الناس کے لئے انتہائی مفید اور سود مند ثابت ہوگی۔ کیونکہ آپ نے اپنی تفسیر میں انتہائی سہل اور سلیس انداز اختیار کیا ہے اور یہ سعی کی ہے کہ روایتی تفاسیر کے انداز سے ہٹ کر ایک ایسی مفید تفسیر پیش کی جائے جس سے عوام الناس کو سمجھنے میں آسانی ہو اور وہ روایتی تفسیری اقوال اور دقائق کے پیچ و خم میں نہ الجھیں اور آپ اس کوشش میں الحمدللہ کافی کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ ابواب کی ترتیب موضوعات کا انتخاب اور سورتوں کی ابتدا میں تسہیل یعنی توضیح پھر تفسیر اور حکمت و ہدایت کے عنوان تلے آیات و سور کا خلاصہ اور اس سے جو نکات و نتائج اخذ ہوتے ہیں آپ نے نہایت سلیقے سے بیان فرمائے ہیں۔ مولانا نے اپنی اس تفسیری کاوش کے لئے ہزاروں صفحات کو کھنگال کر "تسہل البیان" کے نام سے اسکا عطر اور کشید پیش کیا ہے۔

فن تفسیر میں کامیاب اور مفید کاوش کا پیش کرنا حقیقت میں جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ مولانا مدظلہ اگرچہ معذور بھی ہیں لیکن انہوں نے اپنی بلند ہمتی، جاں فشانی اور شبانہ روز محنت کی بدولت علمی حلقوں کیلئے گویا دریائے شیر نکال کر دیا ہے۔

ہم اس آسان و سہل اور مفید تفسیر کی اشاعت پر مولانا کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ

اس کی باقی جلدیں بھی جلد از جلد طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر جلوہ افروز ہوں گی۔ (راشد)

....

کتاب : منشورِ قرآن (مضامین قرآن کا سہ لسانی اشاریہ)

مؤلف : عبدالحلیم ملک ضخامت : ۱۲۷۴ صفحات قیمت : درج نہیں

ناشر : عامر پبلیکیشنز اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن پاکستان۔ نور حیم آباد پنجند روڈ، مظفر گڑھ، پوسٹ کوڈ 34200

آسمانی صحائف اور دیگر مذاہب کی مقدس کتب میں قرآن مجید ہی وہ انفرادی کتاب ہے جو دیگر تمام کتب میں ہر لحاظ، ہر جہت سے منفرد اور مستند مانی جاتی ہے۔ اس کا ایک بڑا وصف جو اسے باقی مذاہب کی کتب سے امتیاز دلاتا ہے وہ اسکی جامعیت، عالمگیریت ہے۔ اسی باعث اسے مکمل دستور حیات اور ضابطہ اخلاق کا مجموعہ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں رشد و ہدایت، پند و نصائح، نیک و بد میں تمیز کرنے، اقوام گزشتہ کے حالات، عبر و امثال کے بیانات کیساتھ ساتھ دنیا و آخرت میں کامیابی کی تمام باتیں درج ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ اس میں علوم و فنون اور کائنات کے اسرار و رموز کا وہ عظیم دفتر موجود ہے۔ جسکی شرح اور توضیح گزشتہ پندرہ سو برس سے ہر دور اور ہر زمانے میں کی جاتی رہی ہے اسکے نتیجے میں آج عالم اسلام کے پاس ایک عظیم سرمایہ جمع ہو گیا ہے جسے اب بھی حرف آخر نہیں سمجھا رہا اور اس کتاب مقدسہ پر تا قیامت نت نئے انداز سے کام ہو تا رہیگا۔ اور یہی قرآن کا اعجاز ہے۔ زیر نظر تفسیری کاوش بھی اسی سلسلۃ الذھب کی ایک سنہری کڑی کا تسلسل ہے۔ لیکن جناب علامہ عبدالحلیم ملک صاحب نے جس جاں فشانی اور عرق ریزی سے ایک الگ انداز اور نئی جہت سے اس تفسیری انڈکس کو مرتب کیا ہے وہ صد لائق تحسین و تبریک ہے۔ آپ نے پورے قرآن کریم کو مختلف ابواب کے تحت تقسیم کیا ہے۔ قاری کو جس موضوع اور جس چیز کے متعلق فوری طور پر جاننے کی ضرورت ہو تو وہ ایک لمحے میں مطلوبہ موضوع پر آیت اور واقعہ اس سہ لسانی (اردو، عربی، انگلش) اشاریہ میں سے دیکھ سکتا ہے۔ آپ نے قرآن کی مختلف ہزاروں بکھری ہوئی آیات کو موضوعات کے تحت یکجا کر دیا ہے جو آپکا ایک بڑا علمی کارنامہ ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ''منشور قرآن'' کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے جس میں مرتب نے تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات کا قیمتی اضافہ کیا ہے جس سے مرتب کی محنت اور کتاب مبین کے ساتھ آپ کے عشق و شغف کا پتہ چلتا ہے۔ ''منشور قرآن'' کے پہلے ایڈیشن کا الحق جلد ۳۳ شمارہ فروری ۹۸ میں بھی تبصرہ شائع ہو چکا ہے۔ (راشد)

....

کتاب : ماہنامہ تعمیر افکار کراچی مدیر مسئول : جناب مولانا ڈاکٹر میاں قادری حقانی صفحات : ۸۰

قیمت : ۱۵ روپے (فی شمارہ) پتہ : الیف ۳۳ / ۳، بلاک ایف، نارتھ ناظم آباد کراچی پوسٹ کوڈ ۷۴۰۰

کراچی سے شائع ہونے والا زیر نظر ماہنامہ مجلہ ایک نہایت ہی عالم و فاضل اور عصری علوم میں ڈاکٹریٹ اور اسلامی علوم سے فراغت حاصل کرنے والی شخصیت کے زیر ادارت شائع ہو رہا ہے۔ جناب ڈاکٹر میاں حقانی قادری صاحب وقتاً فوقتاً مختلف رسائل و جرائد میں لکھتے رہے ہیں اور ان کی کئی گرانقدر تصانیف بھی اسلامی تاریخی اور تحقیقی موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں۔ اب تک اس کے تین شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ ''تعمیر افکار'' کے ابتدائی مجلات کی تحریروں ظاہری و باطنی خوبصورتی اور موضوعات کی سنجیدگی اور متانت نے ہمیں متاثر کیا ہے ۔ جناب ڈاکٹر صاحب کی سلیقہ مندی اور تحریری تجربے نے عام قاری کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ یہ کوئی نئی کوشش ہے بلکہ اس سے یہ تاثر دیا ہے کہ یہ مجلہ کئی برسوں کی شبانہ روز کاوشوں کا نتیجہ ہے اور یہی مفید کوشش مجلہ کے روشن مستقبل کے بارے میں ایک نیک شگون ہے۔

ہم ڈاکٹر صاحب جیسی معتدل مزاج علمی شخصیت کی زیر سرپرستی شائع ہونے والے مجلہ ماہنامہ ''تعمیر افکار'' کی دینی صحافت میں شمولیت کا بھرپور خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور توقع رکھتے ہیں کہ ان شاء اللہ یہ مجلہ اپنے نام کی طرح افکار کی صحیح تعمیر و رہنمائی کرے گا۔ (راشد)

کتاب : تعریب علم الصیغہ :	مترجم : مولانا ولی خان مظفر

ضخامت : ۱۷۶ صفحات	قیمت درج نہیں	ناشر : مکتبہ فاروقیہ فیصل کالونی کراچی۔

علم الصیغہ علم صرف کی مشہور اور متداول کتاب مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ جس میں علم صرف کے متعلق تمام مبادیات انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ جسے پڑھ کر مبتدی طالب علم صیغوں کی تعریف و گردان اعلال و قلب و لبدال قوانین و خواص ابواب سے کماحقہ واقف ہو جاتا ہے۔ چونکہ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔ اسلئے ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کو عربی میں منتقل کیا جائے اور مبتدی طلبہ کے ذوق کے مطابق اس کی تعریب ہو۔ گو کہ اس ترجمہ سے قبل اس کا ترجمہ و تحشیہ بھی اردو زبان میں آیا ہے لیکن بوجوہ اس کی تعریب اردو زبان سے زیادہ مفید ہو سکتی تھی چنانچہ اس اہم فائدہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جامعہ فاروقیہ کراچی کے ذکی و فہیم مدرس اور الفاروق (حصہ عربی) کے مدیر مولانا ولی خان مظفر نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رئیس شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ کی ایماء پر اس کی تعریب کا بیڑا اٹھایا۔ اور بحمد للہ مترجم اپنی کوشش میں مکمل طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔ کتاب کی افادیت اور عربی زبان کی فضیلت و عظمت کے پیش نظر راقم کی رائے میں اگر اسی کتاب کو بجائے فارسی علم الصیغہ کے شامل نصاب کیا جائے تو اس سے دو فائدے حاصل ہو سکتے ہیں ایک تو نفس علم صرف کے ضبط و حفظ میں آسانی ہو گی اور اس کے ساتھ طلبہ کو عربی تمرین کا موقع بھی ملے گا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ مترجم علام کی اس کاوش کو مقبول و مبرور اور اس محنت کو سعی مشکور کے میزان میں ڈال کر باعث رفع درجات فرمائے۔ (م۔ا۔ف)

GO ANYWHERE
YOU WANT TO
GO
SOHRAB
MOUNTAIN BIKE
OVAL SHAPE
24" & 26" Size
CYCLING REDUCES POLLUTION
◆ MULTI SPEED GEARS
◆ SPECIAL SIZE TYRES
◆ IMPORTED BRAKES
PAKISTAN'S NO.1 BICYCLE

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

Adarts-HSF/99